نکاح کو آسان بنائیے

مرتب

عبید الرحمٰن قاسمی موانوی
فاضل دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ سعیدیہ نزد مدرسہ الیاسیہ دعوۃ الایمان موانہ کلاں ضلع میرٹھ

9319453272

تفصیلات

کتاب : نکاح کوآسان بنایئے

تصنیف :

ناشر : کتب خانہ..................

کمپوزنگ سیٹنگ : محمد جہانگیر دیوبند9045293126

سن اشاعت : ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۰۲۴ء

صفحات : ......

قیمت :

ملنے کا پتہ:

....

فہرست عناوین

عنوان — صفحہ نمبر

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ

استاذ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد

نکاح کی اسلام میں اہمیت اور اس کے بے شمار فوائد وفضائل ہیں, اور شریعت نے نکاح کی ضرورت کی بنا پر اسکو بہت آسان بنایا ہے۔لیکن ہمارے ماحول ومعاشرہ میں پھیلی ہوئی بے جا رسومات وشرائط نے نکاح کو بہت مشکل بنادیا ہے, ضرورت تھی کہ نکاح کے فضائل اور اسکے منافع ومسائل کو تفصیل سے بیان کیا جائے, تاکہ امت جن دشواریوں میں مبتلا ہے اس سے امت کو نجات مل سکے, اور آسان شکل لوگوں کے سامنے آسکے, بہت خوشی کی بات ہے کہ جناب مولانا عبیدالرحمٰن قاسمی نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور 'نکاح کو آسان بنایئے' کے نام سے ایک عمدہ اور جامع رسالہ تیار کردیا جس میں نکاح کے فضائل ومسائل اور اس میں درآمد منکرات کو تفصیل سے بیان کردیا ہے, تاکہ لوگ نکاح کے شرعی اسلامی اور روحانی فوائد سے مستفید ہوسکیں, اور اسکے منکرات سے خودکو اور معاشرہ کو بچاسکیں۔

میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس گراں قدر تصنیف کو شرفِ قبولیت سے نواز کر اہل اسلام کے لئے مفید اور کارآمد بنائے۔آمین

محمد راشد اعظمی
دارالعلوم دیوبند
۲۲ ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ

حرف آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ بندۂ ناکارہ آج اس کتاب کا آغاز کررہا ہے جسمیں میں اصلاح معاشرہ اور (نکاح کے سلسلہ میں) والدین پر اولاد کے کیا حقوق ہیں وغیرہ۔

بیان کرنے کی کوشش کرونگا، دعاء ہے کہ اللہ تعالی اسکو میرے لئے آسان فرمائے اور باعث اجروثواب بنائے آمین۔

العبد:

عبیدالرحمٰن موانوی

۱۹رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ

(مسجد نبوی شریف مدینہ منورہ)

پیش لفظ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد:

نکاح اللہ تعالی کی طرف سے نوع انسانی کے لئے ایک ایسی نعمت ہے کہ اسکے ذریعہ سے انسان چاہے مرد ہو یا عورت دونوں کوسکون کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

اور مزید اللہ تعالی نے ایک دوسرے کے درمیان محبت ومودت کا سلسلہ جاری فرمایا ہے آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (سورہ روم: ۲۱)

ترجمہ: اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے تمہارے واسطے تم ہی میں سے جوڑا پیدفرمایا ہے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرسکو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کی۔

شریعت نے نکاح کو بے حد آسان بنایا ہے لیکن آج ہمارے اس معاشرے نے اسکے برعکس نکاح کو بے حد مشکل بنادیا ہے بہت ساری مسرفانہ رسم ورواج ہمارے معاشرے کے اندررائج ہیں جو کہ غیر اسلامی طریقہ ہے اور اسی طریقے سے جہیز میں لاکھوں روپے خرچ کرنا اور لڑکے والوں کا لڑکی والوں پر جہیز کا مطالبہ کرنا اور لڑکی والوں پر زور دباؤ ڈالنا نکاح کو مشکل بنانے میں جلے پر نمک کا کام کرتا ہے۔

اسی طریقے سے اولیاء کا بالغین پر نکاح کے سلسلے میں جبر واکراہ کرنا بسا اوقات لڑکے اور لڑکی کو نکاح جیسی عظیم نعمت سے محروم کرکے ناجائز تعلقات قائم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔خلاصہ یہ کہ ہمارے معاشرے میں نکاح کو بے حد مشکل بنادیا گیا ہے جس کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی بالغ ہونے کے باوجود دس دس پندرہ پندرہ برس تک بے نکاح رہتے ہیں۔ جو کہ خود اپنے آپ میں ایک فتنہ کا باعث ہے۔

اگر حقیقت بیان کی جائے تو اس پرفتن دور میں بالغ ہونے کے بعد اتنے لمبے عرصے بے نکاح رہنے میں گناہ میں پڑنے کا قوی امکان ہے افسوس تو اس بات کا ہوتا ہے کہ بسا اوقات ہم لوگوں کے ڈر سے (کہ اگر وہاں نکاح کیا تو لوگ کیا کہیں گے اگر نکاح میں جہیز نہ دیا تو لوگ کیا کہیں گے) نکاح میں تاخیر کرتے ہیں۔

جسکی وجہ سے بعض مرتبہ نوجوان نسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھتی ہے کتنی عجیب بات ہے لوگوں کا تو ڈر ہے لیکن باری تعالیٰ کا ڈر نہیں؛ اپنی اولاد کے اندر خاندان اور معاشرے کا ڈر تو بٹھایا، لیکن مالکِ حقیقی کا ڈر نہیں بٹھایا یہ ہمارے لئے مقام فکر وتدبر ہے۔

اگر سچ کہا جائے تو یہ حقیقت اور سچائی ہے کہ آج ہمارے معاشرہ میں ناجائز تعلقات کے عام ہونے کی وجہ لڑکیوں میں ہونے والے ارتداد کی سب سے بڑی وجہ نکاح میں تاخیر کرنا ہے۔

اسی کے پیش نظر احقر کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کے سامنے یہ بیان کیا جائے کہ نکاح کے سلسلے میں شریعت کے کیا احکامات ہیں اور ہمارے معاشرے کے اندر نکاح میں تاخیر کرنے کے کیا کیا اسباب ہیں اور شریعت میں یہ اسباب معتبر بھی ہیں یا نہیں اور نکاح کا اسلامی طریقہ کیا ہے تاکہ ہمارے اس معاشرے سے بے حیائی بے پردگی اور بے نکاحی کا خاتمہ ہو کیوں کہ سورہ نو کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ معاشرے کے اندر بے حیائی بدکاری اور حرام دوستی پھیلنے اور بڑھنے کی جو وجوہات ہیں وہ تین ہیں۔

(۱) بے پردگی:

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن..الخ

(۲) بدنظری و بدنگاہی:

قل للمؤمنین یغضوا من أبصارھم ویحفظوا فروجھم..الخ

(۳) بے نکاحی:

وأنکحوا الایامی منکم..الخ

اوران تینوں میں بھی بے نکاحی اس معاشرے کے اندر بگاڑ پیدا کرنے میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اسی کے پیش نظر احقر نے مختلف کتب فقہ اور اکابر کی مختلف کتابوں سے اخذ کر کے ایک رسالہ بنام "نکاح کو آسان بنائیے" ترتیب دیا دعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو میرے اور میرے والدین اوران احباب کے لیے جنھوں نے اس رسالے کو ترتیب دینے کیلئے احقر سے اصرار کیا ذخیرہ آخرت بنائے۔

اور خصوصاً میں شکر گزار ہوں رفیق محترم مفتی محمد منیر قاسمی کا جنھوں نے جا بجا احقر کو مفید مشوروں سے نوازا؛ اور احقر اپنی کم علمی کے بارے میں اچھی طریقے سے واقف ہے اسلئے اگر اس رسالے میں کوئی خامی نظر آئے تو احقر کو ضرور مطلع فرمائیں۔

فقط والسلام

عبید الرحمٰن قاسمی مونوی

فاضل دار العلوم دیوبند

۷ رشوال المکرم ۱۴۴۵ھ

نکاح کی اہمیت کا بیان

نکاح فطری ضرورت

دنیا کو آباد رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کے درمیان فطری طور پر کشش رکھی ہے، اب اس کشش کے تقاضوں پر مطلقاً بندلگا دینا، جس طرح خلاف فطرت اورنا قابل عمل ہے، اسی طرح اس عمل کو بے لگام کر دینا بھی سخت فتنہ اورفساد کا سبب ہے؛ کیوں کہ اگرصرف شہوت رانی کومقصود بنایا جائے گا اورکسی ذمہ داری کے بغیرموج مستی کی اجازت دی جائے گی تو انسان اور جانور میں کوئی فرق نہ رہے گا، اورنسل انسانی کی نگہداشت اور تربیت کی نازک ذمہ داری کوئی شخص اٹھانے کو تیار نہ ہوگا، اور مغربی تصور کے مطابق صنف نازک''استعمال کرواور پھینک دو کے'' مقولہ کا مصداق بن جائے گی، جیسا کہ آج یوروپ کا حال ہے کہ وہاں ناجائز رشتوں سے پیدا ہونے والوں کی کثرت نے انسانی معاشرہ سے سکون چھین لیا ہے اورانسانیت کوسخت ضیق اورتنگی میں مبتلا کر دیا ہے؛ لہٰذا معتدل اورقابل عمل راستہ یہی ہے کہ انسان کے فطری جنسی تقاضوں کا رخ پاکیزہ راستوں کی طرف موڑ دیا جائے، اورناپاک ذرائع پر پابندی لگا دی جائے۔ اسی بنا پر اسلام میں خصوصیت کے ساتھ نکاح کی تاکید کی گئی ہے، اورتجربہ سے یہ بات صادق آتی ہے کہ''نکاح''عفت وپاکیزگی کا سب سے بڑا ذریعہ اوروساوس شیطانیہ کو دفع کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ اسی کے ساتھ دنیا کی آبادی اور عالمی امن کی برقراری کا سبب اورانسان کی اہم ترین فطری ضرورت بھی ہے، اوراباحیت ورہبانیت کے بجائے نکاح کا حکم دے کر اسلام نے اپنے دینِ فطرت ہونے کا مکمل ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

قرآن کریم میں نکاح کی ترغیبات

قرآن کریم میں جابجا نکاح کا حکم دیا گیا ہے، ارشادخداوندی ہے:

(۱) فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔(النساء:۳)

تو نکاح کرلو جوعورتیں تم کو اچھی لگیں دودو، تین تین، چار چار۔

(۲) وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۔(النساء:۲۳)

اورحلال ہیں تم کوسب عورتیں اُن کے سوا، بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو، یہ آیات واضح طور پر دلالت کررہی ہیں کہ عفت وپاک دامنی حاصل کرنے اورتوالد وتناسل کے مقاصد سے نکاح کرنا اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہایت مہتم بالشان معاملہ ہے۔

نکاح نصف ایمان ہے

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب کسی شخص نے نکاح کر لیا تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کر لیا، اب وہ (آگے) آدھے باقی ماندہ دین میں اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے۔
مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الإِيمَانِ فَلْيَتَّقِ اللهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي .(مشكاة المصابيح: ج/٢ ص ٢٦٨)
نکاح کو نصف دین قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ گناہوں کا زیادہ تر صدور انسان کے منہ اور شرم گاہ سے ہوتا ہے، اگر وہ نکاح کر کے شرم گاہ کو گناہوں سے بچا لے، تو گویا اس نے معاصی کے آدھے راستے کو بند کر دیا اور دینی خرابی سے بچا لیا؛ لیکن یہ مقصد اسی وقت کامل طور پر حاصل ہوگا جب کہ بیوی نیک اور دین دار ہو، چناں چہ اس کی وضاحت دوسری حدیث میں اس طرح فرمائی گئی:
مَنْ رَزَقَهُ اللهُ اِمْرَأَةً صَالِحَةً فَقَدْ أَعَانَهُ عَلَى شَطْرِ دِينِهِ فَلْيَتَّقِ اللهَ فى الشَّطْرِ الْبَاقِي (المعجم الأوسط: ج ٢ /ص ٢٧٩)
جس شخص کو اللہ تعالیٰ نیک بیوی عطا فرمائیں تو اس کے آدھے دین پر استقامت میں مدد فرماتے ہیں پس اسے ما بقیہ آدھے دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔

نوجوانوں کو نکاح کی ترغیب

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:
يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَائَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرَجِ الخ .(صحيح البخارى: ج٢/٧٥٨، مشكاة المصابيح: ج٢/٢٦٧)
اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو، اُسے چاہئے کہ وہ نکاح کر لے: اس لئے کہ وہ نگاہ کو بہت زیادہ نیچا رکھنے اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کا ذریعہ ہے۔
یعنی یہ نکاح عفت و عصمت کی حفاظت کا سب سے مامون و محفوظ راستہ ہے، ہر صاحب قدرت مسلمان کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

نکاح کرنے والے کے ساتھ اللہ کی مدد

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخصوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ میں لازم کررکھا ہے:

(۱) اَلْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا۔

(۲) وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ

وہ غلام جو اپنی آزادی کے لئے قیمت ادا کرنا چاہتا ہو۔

(۳) وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ.

وہ نکاح کرنے والا جو پاک دامنی چاہتا ہو۔

(سنن الترمذی: ج ۱ /ص ۲۹۵)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ عفت وعصمت کے تحفظ کے لئے جو شخص نکاح کا ارادہ کرے گا، اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوگی، انشاء اللہ تعالی۔

اسلام میں رہبانیت پسندیدہ نہیں

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے ترک لذات کے ارادہ کا علم ہونے پر ارشاد فرمایا:

خبردار ہوجاؤ! قسم بخدا میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم میں سب سے بڑا متقی ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور بلا روزہ بھی رہتا ہوں، اور رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جو شخص میری سنت اور طریقہ سے اعراض کرے، وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ (صحیح البخاری: ج ۲ /ص ۷۵۷)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ مذہب اسلام میں یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ آدمی گھریلو ذمہ داریوں سے بچ کر رہبانیت اختیار کرلے، اور دنیا سے قطع تعلق کرکے بس عبادت میں لگ جائے؛ بلکہ حقیقی دین یہ ہے کہ آدمی حسن نیت اور صحت عمل کے ذریعہ اپنی ہر مصروفیت کو دین بنائے، اسی اعتبار سے نکاح کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی بنا پر ایک اہم

عبادت قرار دیا گیا ہے۔

نکاح کا پاکیزہ مقصد

اور ایک موقع پر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خطاب فرمایا:
ٹوٹ کر محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو؛ کیوں کہ میں تمہارے ذریعہ سے قیامت کے دن دیگر امتوں پر کثرت کرنے والا ہوں گا۔
تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ .(سنن أبي داؤد:ج ١/ص٢٦٧، مشكاة المصابيح: ج ٢/ص٢٦٧)

معلوم ہوا کہ نکاح کے اہم ترین مقاصد دو ہیں

اول زوجین میں محبت کی فراوانی، جو خاندانوں میں جوڑ کا بڑا سبب ہے۔اور دوم طلب اولاد، جس پر دنیا کی آبادی کا مدار ہے؛ لہٰذا نکاح کو محض شہوت رانی اور موج مستی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔

قدرت کے باوجود نکاح نہ کرنے پر تنبیہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

جو شخص نکاح کرنے کی مالی وسعت رکھنے کے باوجود نکاح نہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔
مَنْ كَانَ مُوسِرًا لِأَنْ يَنْكِحَ، ثُمَّ لَمْ يَنْكِحْ فَلَيْسَ مِنِّي .(مراسيل أبي داؤد ١١)
ان روایتوں سے اسلام کی نظر میں نکاح کی اہمیت کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔فقہ حنفی کی ایک اہم کتاب درمختار میں لکھا ہے کہ:''صرف دو عبادتیں ایسی ہیں جو حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ سے لے کر قیامت تک یکساں طور پر مشروع ہیں، ان میں ایک ایمان ہے دوسرے نکاح، اور یہ دونوں عبادتیں جنت میں بھی جاری رہیں گی۔
(الدر المختار ج ۴/ص ۵۷، زکریا)

نکاح سلف صالحین کی نظر میں

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور سلف صالحین نے بھی نکاح کا نہ صرف معمول رکھا؛ بلکہ اس کی برابر رغبت دلاتے رہے۔ احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ:

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے

نکاح سے مانع صرف دو چیزیں ہیں: ایک عاجزی، دوسرے فسق وفجور۔

مَایَمْنَعُکَ مِنَ النِّکَاحِ إِلَّا عِجْزٌ أَوْ فُجُوْرٌ .(المصنف لابن أبی شیبة ۳۰/۹ رقم: ۱۶۱۵۸، بیروت)

(۲) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقولہ ہے کہ

حاجی کا حج اس وقت تک کامل مکمل نہ ہوگا جب تک کہ وہ شادی نہ کرلے ۔

لَا یَتِمُّ نُسُکُ النَّاسِکِ حَتّٰی یَتَزَوَّجَ .(إحیاء العلوم عربی ۲/۱۱، المصنف لا بن أبی شیبة: ج ۹/۳۰ رقم: ۱۶۱۵۹)

(وجہ یہ ہے کہ شادی شدہ شخص کے مقابلہ میں غیر شادی شدہ شخص عموماً فراغت قلب کیساتھ ارکان ادا نہیں کرپاتا)

(۳) سیدنا حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: ''اگر میری عمر کے کل دس دن ہی رہ جائیں، تو بھی میری خواہش ہوگی کہ میں نکاح کرلوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بلا زوجہ والا ہونے کی حالت میں پیش نہ ہوں۔ (مثلہ فی مجمع الزوائد: ۴/۲۵۱)

(۴) سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں طاعون کی وبا میں انتقال فرماگئیں، آپ خود بھی طاعون میں مبتلا تھے، مگر پھر بھی آپ نے لوگوں سے کہا کہ: ''میری شادی کرادو کیوں کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے بے بیوی والا ہونے کی صورت میں ملاقات کروں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/۴۳۹)

(۵) امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت نکاح کرنے والے تھے اور فرماتے تھے کہ:

میں صرف اولاد طلب کرنے کے لئے نکاح کرتا ہوں۔

مَاأَتَزَوَّجُ إِلَّا لِأَجْلِ الْوَلَدِ .(إحیاء العلوم عربی: ۲/۱۱، نول کشور)

(۶) پچھلی امتوں میں ایک عابد کثرتِ عبادت کی وجہ سے اہل زمانہ پر فائق ہوگیا، اس کا ذکر جب اس زمانہ کے نبی کے سامنے ہوا، تو انہوں نے فرمایا کہ: ''وہ اچھا آدمی ہے بشرطیکہ وہ ایک سنت کو نہ چھوڑے۔ جب نبی کا یہ قول اس عابد کو معلوم ہوا، تو وہ بہت مغموم ہوا اور اس نے آکر نبی علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا، تو اُنہوں نے جواب

دیا کہ: تم نے نکاح کی سنت چھوڑ رکھی ہے۔ تو عابد نے جواب دیا کہ میں اسے حرام نہیں سمجھتا، مگر بات یہ ہے کہ میں فقیر ہوں اور لوگوں پر بوجھ ہوں (اس لئے نکاح نہیں کرتا) اس پر نبی وقت نے کہا کہ میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دیتا ہوں، اور اس کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا۔

وحکی أن بعض العباد فی الأمم السابقة فاق أهل زمانه فی العبادة، فذکر لنبی زمانه حسن عبادته، فقال: نعم الرجل هو لولا أنه تارک لشیء من السنة، فاغتم العابد لما سمع ذلک، فسأل النبی عن ذلک، فقال: أنت تارک للتزوج، فقال: لست أحرمه، ولکنی فقیر، وأنا عیال علی الناس، قال: أنا أزوجک ابنتی، فزوجه النبی علیه السلام ابنته .(إحیاء العلوم عربی: ۱۱/۲، نول کشور)

(۷) بشر بن الحارث کہتے ہیں کہ: احمد بن حنبل مجھ پر تین وجوہات سے بڑھے ہوئے ہیں:

ایک تو وہ خود اپنے لئے اور ساتھ میں غیروں (اہل وعیال) کے لئے کماتے ہیں، اور میں صرف اپنے لئے ہی کماتا ہوں۔ دوسرے وہ نکاح کرنے میں بڑے وسیع الظرف واقع ہوئے ہیں، اور میں اس معاملہ میں تنگ ہوں۔ تیسرے یہ کہ وہ امام کے درجہ پر فائز کئے گئے ہیں۔

فضل علی أحمد بن حنبل بثلاث بطلب الحلال لنفسه ولغیره، وأنا أطلبه لنفسی فقط، ولا تساعه فی النکاح وضیقی عنه، ولأنه نصب إماما للعامة .(إحیاء العلوم عربی: ۱۱/۲ نول کشور)

(۸) منقول ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ کی والدہ کی وفات کے اگلے ہی دن دوسرا نکاح کرلیا اور فرمایا کہ: ''میں بے بیوی والا بن کر رات گزارنا پسند نہیں کرتا۔

ویقال: إن أحمد بن حنبل رحمه الله تزوج فی الیوم الثانی من وفاة أم ولده عبد الله، وقال: أکره أن أبیت عزباً .(إحیاء العلوم عربی ۱۱/۲، نول کشور)

(۹) بشر بن الحارث کا جب انتقال ہوا تو بعض لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا اور حالات پوچھے، انہوں نے جواب دیا کہ: اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرے اتنے درجے بلند فرمائے کہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقامات دیکھ سکتا ہوں؛ تاہم میں اہل وعیال والے خوش نصیبوں کے درجہ تک نہ پہنچ سکا۔

وروی أنه بشر بن الحارث رأی فی المنام، فقیل له: ما فعل بک؟ فقال: رفعت منازلی فی الجنة وأشرف بی علی مقامات الأنبیاء، ولم أبلغ منازل متأهلین. (إحیاء العلوم عربی ۱۲/۲، نول کشور)

(۱۰) انہی بشر بن الحارث سے خواب میں پوچھا گیا کہ حضرت ابونصر تمار کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟

بشر نے کہا کہ انھیں مجھ سے ستر درجہ اوپر رکھا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ دنیا میں تو ہم انھیں آپ سے اونچا نہ سمجھتے

تھے، تو بشر نے جواب دیا کہ یہ درجہ انہیں اپنے بچوں اور اہل وعیال کی تکلیفوں پر صبر کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

قال: فقلنا له بشر بن الحارث ما فعل أبو النصر التمار؟ فقال: رفع فوقي بسبعين درجة، فقلنا: بماذا؟ فقد كنا نراک فوقه، قال: بصبره على بنياته والعيال. (إحياء العلوم عربی: ۲/۱۲، نول کشور)

(۱۱) بعض لوگوں کا مقولہ ہے کہ شادی شدہ آدمی سے غیر شادی شدہ شخص ایسے ہی افضل ہے، جیسے بیٹھے رہنے والے کے مقابلہ میں جہاد کرنے والا افضل ہوتا ہے۔ اور شادی شدہ شخص کی ایک رکعت غیر شادی شدہ کی ستر رکعت نماز سے افضل ہے۔

وقد قيل: فضل المتأهلين على العزب كفضل المجاهد على القاعد، وركعة من المتأهلين أفضل من سبعين ركعة من العزب. (إحياء العلوم عربی: ۲/۱۲، نول کشور)

بات اصل میں یہ ہے کہ ہمارا دین ہمیں رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا کہ آدمی الگ تھلگ رہ کر تجرد کی زندگی گزارے یا پہاڑوں اور غاروں میں رہنے لگے؛ بلکہ فضیلت کا مستحق اسلام کی نظر میں وہ شخص ہے جو سنتوں پر عامل ہو، لوگوں سے مل جل کر رہے، اور اہل خانہ اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے۔ اور ظاہر ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی میں آدمی کو جن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، ان کو حسن وخوبی سے برداشت کرنا آدمی کے درجات میں ترقی کا سبب بن جاتا ہے، یہ درجات دوسرے لوگوں کو حاصل ہونے مشکل ہوتے ہیں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ج ۴ ص ۳۴ تا ۴۱)

نکاح کی مختلف حالتوں کا بیان

نکاح میں اشتغال محض نفلی عبادت میں مشغولی سے افضل ہے

نکاح کے مشاغل (بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرنا وغیرہ) میں لگنا محض نفلی عبادات انجام دینے سے افضل ہے؛ کیوں کہ یہ مشاغل بہت سے دینی ودنیوی مصالح پر مشتمل ہیں۔

إن الاشتغال به أفضل من التخلي لنوافل العبادات أي الاشتغال به، وما يشتمل عليه من القيام بمصالحه وإعفاف النفس عن الحرام وتربية الولد ونحو ذلک. (شامی:۴/۵۷، زکریا)

کس شخص پر نکاح کرنا فرض ہے

جو شخص مہر اور بیوی کے نان ونفقہ کی ادائیگی پر قادر ہو اور اسے اطمینان ہو کہ وہ بیوی پر کسی طرح کا ظلم نہ کرے گا، اور طبعیت میں نکاح کا ایسا تقاضا ہو کہ نکاح کے بغیر زنا سے بچنا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض ہے۔

فإن تيقن الزنا إلا به فرض (الدر المختار) أي بأن كان لا يمكنه الاحتراز عن الزنا إلا به؛ لأن ما لا يتوصل إلى ترک الحرام إلا به يكون فرضًا. (شامی:۴/۵۷، زکریا)

کس شخص پر نکاح واجب ہے؟

جو شخص نان ونفقہ، مہر اور بیوی کے جملہ حقوق ادا کرنے پر قادر ہو اور اسے خطرہ ہو کہ اگر نکاح نہ کیا تو مبتلائے معصیت (مثلاً بدنظری یا مشت زنی) ہو جائے گا، تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔

ويكون واجبًا عند التوقان تنوير الأبصار) أي بحيث يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج إذ لا يلزم من الاشتياق إلى الجماع الخوف المذكور. قلت: وكذا فيما يظهر لو كان لا يمكنه منع نفسه عن النظر المحرم أو عن الاستمناء بالكف فيجب التزوج وإن لم يخف الوقوع في الزنا۔ (شامی ۴/۶۳)

کس شخص کے حق میں نکاح سنت مؤکدہ ہے؟

جو شخص اعتدال کی حالت میں ہو یعنی نان نفقہ پر قادر ہو اور بیوی کے جملہ حقوق ادا کرسکتا ہو، لیکن اس کے دل میں ایسا تقاضا نہ ہو کہ نکاح کے بغیر معصیت میں مبتلا ہونے کا یقین یا اندیشہ ہو تو اس شخص کے لئے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارنا سنت مؤکدہ ہے، اگر یہ شخص قدرت کے باوجود نکاح نہ کرے گا تو تارک سنت ہونے کی بنا پر گنہ گار ہوگا۔

ويكون سنة مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه الخ، حال الاعتدال الخ للمواظبة عليه والإنكار على من

رغب عنه .(الدر المختار قال في البحر: والمراد حالة القدرة على الوطء والمهر والنفقة مع عدم الخوف من الزنا والجور وترك الفرائض والسنن، فلو لم يقدر على واحد من الثلاثة أو خاف واحدًا من الثلاثة أي الأخيرة فليس معتدلاً فلا يكون سنة في حقه، كما أفاده في البدائع .(شامی:۴/۶۵، زکریا)

کس صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے؟

اگر انسان کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ نکاح کر کے بیوی کے حقوق ادا نہ کر سکے گا (مثلاً وہ نان نفقہ کا بوجھ اٹھانے پر قادر نہیں ہے، یا بیوی کے لئے جنسی تسکین حاصل کرانے میں شبہ ہے) تو ایسے شخص کے لئے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

ومكروها لخوف الجور (تنوير الأبصار مع الدر المختار:۴/۶۶، زکریا)

کس صورت میں نکاح کا اقدام حرام ہے؟

اگر انسان کو یقین ہو کہ وہ بیوی کا مالی وجنسی حق ادا کرنے پر قطعاً قادر نہیں ہے تو اس کیلئے نکاح کا اقدام کرنا حرام ہے، اگر ایسا عاجز شخص نکاح کرے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔

فإن تيقنه أي تيقن الجور حرم؛ لأن النكاح إنما شرع لمصلحة تحصين النفس وتحصيل الثواب، وبالجور يأثم ويرتكب المحرمات، فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد .(شامی:۴/۶۶، زکریا)

طبیعت میں نکاح کا تقاضا ہو مگر اسباب نہ ہوں؟

اگر کسی شخص کو نکاح کا شدید تقاضا ہو، لیکن اس کے پاس نکاح کے اسباب مہیا نہ ہوں اور قرض وغیرہ بھی مہیا نہ ہو تو اسے چاہئے کہ مسلسل روزے رکھے؛ تا آں کہ اسباب مہیا ہو جائیں، یہ روزوں کا تسلسل اس کے نفسانی تقاضے کو ان شاء اللہ ختم کر دے گا۔

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يامعشر الشباب من استطاع منكم البائة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء.، (مشكاة المصابيح ۲/۲۶۷)

شادی کس عمر میں کرنی چاہیے

جلدی نکاح کرنے کا حکم

عَنْ عَلِيٍّ إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَا عَلِي ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا الصَّلٰوةُ إِذَا أَتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَت وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُواً (رواه الترمذی رقم: ۱۷۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے علی ان تین چیزوں میں تاخیر نہ ہونا چاہیے نماز جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ جب کہ تیار ہوجائے اور بے نکاحی لڑکی کا رشتہ جب اس کا کفول جائے۔''

اس حدیث میں وجوب تعجیل (جلدی نکاح کرنے کو) نماز کا قرین قرار دیا ہے۔(اسلامی شادی: ص ۱۱۲)

لڑکیوں کی جلد شادی نہ کرنے کے مفاسد

بعض ناعاقبت اندیش کنواری لڑکیوں کو بالغ ہوجانے کے بعد بھی کئی کئی سال بٹھائے رکھتے ہیں۔ اور محض ناموری کے سامان کے انتظار میں ان کی شادی نہیں کرتے۔ حتی کہ بعض بعض تیس تیس اور کہیں چالیس چالیس برس کی عمر کو پہنچ جاتی ہیں۔ اور اندھے سر پرستوں کو کچھ نظر نہیں آتا کہ اس کا کیا انجام ہوگا۔ حدیثوں میں جو اس پر وعید آئی ہے کہ اگر اس صورت میں عورت سے کوئی لغزش ہوگئی تو وہ گناہ باپ پر لکھا جاتا ہے یا جو (بھی باپ کے قائم مقام مثلاً) ذی اختیار ہو اس پر بھی لکھا جاتا ہے۔

اگر کسی کو اس وعید کا خوف نہ ہو تو دنیا کی آبرو کو تو دنیادار بھی ضرور سمجھتے ہیں سو اس میں اس کا بھی اندیشہ ہے۔

چنانچہ کہیں حمل گرائے گئے ہیں کہیں لڑکیاں کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہیں۔

اگر کسی شریف خاندان میں ایسا نہ ہو تب بھی وہ لڑکیاں ان سرپرستوں کو تو دل ہی دل میں کوستی ہیں اور چونکہ وہ مظلوم ہیں اس لیے ان کا کوسنا خالی نہیں جاتا۔ ان لوگوں کو یہ بھی شرم نہیں آتی کہ خود باوجود بوڑھے ہوجانے کے ایک بڑھیا کو جو اس لڑکی کی ماں ہے خلوت میں لے جاکر اس کے ساتھ عیش وعشرت کرتے ہیں۔ اور جس غریب مظلوم کی عیش کا موسم ہے وہ پہرہ داروں کی طرح ان کے گھر کی چوکسی کرتی ہیں کیسا بے ربط خبط ہے۔(اسلامی شادی: ص ۱۰۷)

آج کل شادی جلدی کردینا چاہیے

آج کل رائے یہ ہے کہ شادی جلدی ہونی چاہیے کیونکہ اب وہ عفت ودیانت طبیعتوں میں نہیں رہی جو پہلے تھی اب زیادہ ضبط کی ہمت نہیں ہوتی۔(اسلامی شادی: ص ۱۱۲)

والدین کی ذمہ داری

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی اولاد پیدا ہو اس کو چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے پھر جب وہ بالغ ہو جائے اس کا نکاح کردے اور اگر وہ بالغ ہو جائے اور اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ (سبب کے درجہ) میں صرف باپ پر ہی ہوگا۔ (گو مباشرت کے درجہ میں خود اس پر ہوگا)۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کو پہنچ جائے (اور قرائن سے نکاح کی حاجت معلوم ہو اور یہ شخص اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا۔ (اسلامی شادی: ص ۱۱۳)

نیز فتاوی دارالعلوم میں ہے کہ بالغ ہونے اور مناسب رشتہ ملنے پر اولاد کی جلد از جلد شادی کردینی چاہئے، حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص مناسب رشتہ آنے کے باوجود اولاد کے نکاح میں تاخیر کرے جس کی وجہ سے اولاد سے بدکاری کا صدور ہو جائے، تو اس کا گناہ باپ کے سر بھی ہوگا، نیز نکاح عفت مابی اور عصمت کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اس عمل خیر میں رکاوٹ ڈالنے والا شخص بھی شرعاً سخت گنہگار رہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ج ۷ ص ۴۲)

قال اللہ تبارک وتعالی: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى، وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ، جزء آیت: ۲)

عن أبي سعيد وابن عباس رضی اللہ عنهما قالا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه، فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه، فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه .(مشكاة المصابيح: ج ۲/ص ۲۷۱)

نوٹ: آج کے اس پرفتن دور میں جہاں ایک طرف سوشل میڈیا ہے اور دوسری طرف بے پردگی کا ماحول ہے ایسے ماحول میں لڑکوں اور لڑکیوں کو گناہوں سے بچانے کے پیش نظر بالغ ہونے کے فوراً بعد نکاح کا انتظام کرنا چاہیے اور اگر کسی عارض کی وجہ سے کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ بیس، اکیس سال کی عمر میں تو نکاح ہر حال میں کردینا چاہیے ورنہ معاشرہ کے اندر بے حیائی پھیلے گی اور ناجائز تعلقات کی بہتات ہوگی لیکن آج ہمارا عجیب حال ہے، ہم نے نکاح (جو کہ بے حد آسان کام ہے) اسکو بے حد مشکل بنا دیا اور ناجائز تعلقات قائم کرنے آسان ہو گئے اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ آجکل زنا کرنا بے حد آسان ہو گیا ہے کتنے افسوس کی بات ہے کہ معاشرہ کہ ڈر سے کہ اگر وہاں

نکاح کرلیا تو لوگ کیا کہیں گے نکاح نہیں کرتے۔لیکن بہت واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ جہاں معاشرہ سماج اور خاندان کے ڈر سے نکاح نہیں کیا تھا اسی جگہ پر خدا سے ڈرے بنا اپنا منہ کالا کر بیٹھتے ہیں قابل افسوس ہے یہ بات کہ معاشرہ،اور خاندان کا ڈر تو ہمارے دلوں میں ہے،لیکن باری تعالیٰ کا ڈر ہمارے دلوں میں نہیں ہے اسلئے ہمیں ضرورت ہے اس بات کی کہ نکاح کو آسان بنائے تا کہ ایک پاکیزہ معاشرہ جنم لے۔(مرتب)

رشتہ ناطہ کا بیان

نکاح میں لڑکے اورلڑکی کی رائے کا بھی خیال رکھنا چاہیئے

نکاح میں بالغ لڑکے اورلڑکی کی رائے کا بھی خیال رکھنا چاہیئے؛اس لئے کہ زوجین کے درمیان جو انس ومحبت شرعاً مطلوب ہے، وہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوگی؛

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي .(مشكاةالمصابيح/باب عشرة النساء: ٢/٢٨١)

وينعقدملتبسا بإيجاب أحدهما وقبول من الآخر .(الدرالمختار ج٤ ص ٦٩ زكريا)(مستفاد: كتاب النوازل: ج٨/ص ٥٢)

رشتہ کرتے وقت عورت میں کیا باتیں ملحوظ رہیں

بہتر ہے کہ ایسی لڑکی سے رشتہ کیا جائے جو عمر، خاندان، دنیوی عزت اور مال داری میں لڑکے سے کم ہو، اور اخلاق، ادب، دین داری اورحسن و جمال میں لڑکے سے بڑھی ہوئی ہو(کیوں کہ اس صورت میں وہ شوہر کے حقوق زیادہ اچھی طرح ادا کرنے والی ہوگی)

ويندب الخ، وكونها دونه سنا وحسباً وعزاً ومالاً، وفوقه خلقاً وأدباً وورعاً وجمالاً .(الدرالمختار مع الشامي:٦٧-٦٦/٤، زكريا)

ويتزوج من هي فوقه في الخلق والأدب والورع والجمال ودونه في العز والحرفة والحسب والمال والسن والقامة، فإن ذلك أيسر من الحقارة والفتنة.(البحرالرائق:٣/١٤٣، زكريا)

عورت خاندان اورعزت کے اعتبار سے مرد سے کم ہونی چاہیے

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت خاندان، عزت اور مقام ومرتبہ کے اعتبار سے مرد سے کم ہونی چاہئے اسی طرح مال داری میں بھی مرد کے تابع ہونی چاہیے اسلئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی عورت سے اسکے مقام ومرتبہ کی وجہ سے شادی کی اللہ تعالی اس مرد کی ذلت میں اضافہ کریگا اور جس نے اس عورت کے مال کی وجہ سے شادی کی تو اللہ تعالی اس مرد کے فقر میں اور اضافہ کریگا اور جس نے کسی عورت کے خاندان کی وجہ سے شادی کی اللہ تعالی اس مرد کی کمینگی میں اضافہ کریگا اور جس نے کسی عورت سے شادی کی صرف اسلئے کہ اپنی نظر کو جھکائے

اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے یا صلہ رحمی کرے تو اللہ تعالی اس مرد کے لیے اس عورت میں اور اس عورت کے لیے اس مرد میں برکت رکھ دیگا۔

وحسباً) هو ماتعده من مفاخر آبائک. ح عن القاموس: أی بأن یکون الأصول أصحاب شرف وکرم ودیانة، لأنها إذا کانت دونه فی ذلک، وکذا فی العز: أی الجاه والرفعة، وفی المال تنقاد له، ولا تحتقره وإلا ترفعت علیه. وفی الفتح: روی الطبرانی عن أنس عنه ﷺ مَنْ تزوَّج امْرَأَةً لِعِزِّهَا لَمْ یزِدْهُ الله إلَّا ذُلًّا، وَمَنْ تَزَوَّجهَا لِمَالِهَا لَمْ یَزِدْهُ الله إلا فقراً، وَمَنْ تَزَوَّجهَا لِحَسَبِهَا لَمْ یزِدْهُ الله اِلَّا دَنَائَةً، وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَمْ یرِدْ بِها إِلَّا أَنْ یَغُضَّ بَصَرَهُ وَیحصِنَ فَرْجَهُ أَوْ یَصِلَ رَحِمَهُ بَارَکَ الله لَهُ فِیهَا وَبَارَکَ لَهَا فِیهِ

(ردالمحتار: ج۴/ص۶۷)

مناسب رشتہ آنے پر ٹال مٹول نہ کی جائے

جب لڑکے یا لڑکی کا مناسب رشتہ پیش ہو جس میں دین داری اور اخلاق کے اعتبار سے خرابی نہ ہو تو ایسے رشتہ کو قبول کرنے میں تاخیر نہ کی جائے۔ (اور بلا وجہ ٹال مٹول نہ کی جائے، ورنہ بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے)

عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا خطب إلیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه. إلا تفعلوه تکن فتنة فی الأرض وفساد عریض (سنن الترمذی: ۱/۲۰۷)

نوٹ: بعض والدین اس بارے میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اور محض خاندانی بندشوں وغیرہ کی وجہ سے اچھے رشتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں، جس کا خمیازہ بعد میں بھگتنا پڑتا ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل: ج۴/ص۵۲)

لڑکے لڑکی کا نکاح سے قبل ایک دوسرے کو دیکھنا

جس سے نکاح کا واقعی ارادہ ہو، اسے کسی بہانے سے ایک نظر دیکھنے کی شرعاً گنجائش ہے؛ بلکہ ایسا کرنا مستحسن ہے؛ تاکہ نکاح کے بعد کسی ناگواری کا اندیشہ نہ رہے لیکن اس میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ تنہائی اور بے تکلفی کا مظاہرہ نہ ہو؛ کیوں کہ عقد سے قبل اجنبی مرد وعورت کے مابین یہ چیزیں جائز نہیں ہیں۔ (مستفاد: کتاب النوازل: ج۸/ص۴۲)

عن جابر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا خطب أحدکم المرأة، فإن استطاع أن ینظر إلی ما یدعوه إلی نکاحها فلیفعل. (سنن أبی داؤد، کتاب النکاح/باب الرجل ینظر إلی المرأة وهو یرید تزویجها ۱/۲۸۴)

عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه أنه خطب امرأة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أنظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما .(سنن الترمذی باب ماجاء فی النظر الی المخطوبة:۱/۲۰۷)

(والنظر إليها قبله) أي وإن خاف الشهوة كما صرحوا به في الحظر والإباحة، وهذا إذا علم أنه يجاب في نكاحها (ردالمحتار: ج۴ص۶۷)

رشتہ کے لئے زوجین کے فوٹو کا تبادلہ

جس لڑکی سے رشتہ کرنے کا ارادہ ہے، اس کو کسی طرح ایک نظر دیکھ لینا رشتہ دینے والے (لڑکے) کے لئے درست ہے، لیکن اس مقصد سے اگر فوٹو کھینچا جائے تو یہ صرف خاطب تک ہی محدود نہ رہے گا؛ بلکہ ہر شخص اُسے دیکھ سکتا ہے، اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ لڑکی کو سجا کر کسی عمومی جگہ بٹھا دیا جائے کہ جو چاہے اُسے آکر دیکھے، تو ظاہر ہے اسے کوئی باغیرت شخص برداشت نہیں کرسکتا۔ بریں بنا رشتے کے مقصد سے تصاویر کے تبادلے کی صورت مناسب نہیں ہے، اس سے فتنوں کے دروازے کھلنے کا سخت اندیشہ ہے؛ بلکہ یقین ہے۔(مستفاد: کتاب النوازل: ج۸ /ص۷۴)

بالغ لڑکے اور لڑکی پر اولیاء کو ولایت اجبار حاصل نہیں

مذہب اسلام اعتدال پسند مذہب ہے افراط وتفریط سے پاک ہے اسلام میں کسی پر بھی ظلم برداشت نہیں چاہے وہ ظلم اولاد کا ماں باپ پر ہو یا ماں باپ کا اولاد پر ہو اسی طرح اسلام نے سب کے حقوق بتائے ہیں جس طرح اولاد کو ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح ماں باپ کو بھی اولاد کے حقوق بتائے ہیں اور کسی کی بھی حق تلفی مذہب اسلام میں برداشت نہیں۔اسی طرح نکاح کے سلسلہ میں شریعت نے ماں باپ اور اولیاء سے زیادہ نکاح کرنے والوں کی پسند اور ناپسند کا خیال کیا ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے؛ بے نکاحی (بالغہ) عورت اپنے ولی کے مقابلہ میں خود اپنا نکاح کرنے کی زیادہ حقدار ہے

عن ابن عباس أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال : الأيم أحق بنفسها من وليها"(بخاري ج۲ص ۷۷۱)صحیح مسلم ج۱ص ٤٥٥)

لیکن آج بعض والدین اور اولیاء نکاح کے سلسلہ میں اولاد پر ظلم کرتے ہیں۔اور آج,ہمارے معاشرہ کے اندر ایسا ماحول ہو گیا ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں (Love marriage) اور (arrange marriage) جیسی اصطلاحات قائم کردی گئی ہیں۔اگر ہم اسلامی طریقہ کے مطابق عمل کریں گے تو اس طرح کی اصطلاحات قائم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کیونکہ شریعت کے اندر نکاح کی ولایت کے سلسلے میں دو اصطلاحات ہیں۔جو کہ ظلم و جبر سے بالکل منزہ ہیں

(۱) ولایت اجبار

جاننا چاہیے کہ اولیاء کو ولایت اجبار صرف نابالغ پر حاصل ہے یعنی نابالغ کا نکاح اولیاء اپنی مرضی سے جہاں چاہے کر سکتے ہیں لیکن بالغ لڑکے اور لڑکی پر اولیاء کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہے اگر اولیاء بالغ لڑکے یا لڑکی کو کسی جگہ نکاح پر مجبور کرینگے تو گناہ گار ہوں گے۔

(۲) ولایت استحباب

یعنی بالغ لڑکے اور لڑکی کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنا نکاح از خود نہ کریں بلکہ اولیاء کو واسطہ بنا لیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ اولیاء کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ بالغ لڑکے یا لڑکی کو کسی جگہ نکاح پر مجبور کریں بلکہ جس جگہ پر اولاد، دل سے راضی ہو یا اگر کسی جگہ کی خواہش ظاہر کریں وہیں انکا نکاح کرنا چاہیئے اور لڑکے اور لڑکی کے لیے یہ حکم ہے کہ اگر کہیں نکاح کرنے کی خواہش ہو تو بہتر یہ کہ خود سے نکاح کرنے کے بجائے اولیاء کو واسطہ بنا کر نکاح کریں۔لیکن

قابلِ افسوس ہے یہ بات کہ آج اگر کوئی لڑکا یا لڑکی کسی جگہ نکاح کی خواہش ظاہر کرے تو اسکو معیوب سمجھتے ہیں اور انکو عار دلاتے ہیں۔اسی طرح اگر اولاد، اولیاء کے پیش کئے ہوئے رشتہ سے انکار کردے تو طعنہ زنی کرتے ہیں ,اور زبردستی رشتہ تھوپتے ہیں جبکہ ایک صحابیہ ہیں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا انکا نکاح انکے والد خذام نے انکی مرضی کے خلاف دوسری جگہ کردیا تھا تو وہ جناب نبی کریم صل اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور آپ سے عرض کیا کہ میرے والد نے ایک جگہ میرا نکاح کردیا ہے اور میں وہاں نکاح کرنا نہیں چاہتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا نکاح ختم کردیا۔آپ دیکھئے نکاح کا انکار کرنے والی صحابیہ ہیں اور انکے انکار پر نکاح کو ختم کرنے والے جنابِ نبی کریم صل اللہ علیہ وسلم ہیں۔پھر ہم کیوں نکاح کرنے والوں کی پسند اور ناپسند کا خیال نہیں کرتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم خاندان اور ناک کے چکر میں ,اسی طرح شریعت مطہرہ کے احکامات سے ناواقفیت کی وجہ سے اپنی ہی اولاد پر ظلم کر بیٹھتے ہیں۔اور جسکے نتیجے میں ناجائز تعلقات کورٹ میرج ((court marriage حتی کے زنا جیسے جرم معاشرے کے اندر عام ہوتے جارہے ہیں۔ اسلئے ہمیں ضرورت ہے اس بات کی کہ نکاح کو شریعت نے جتنا آسان بنایا ہے اتنا ہی آسان بنائیں اپنی طرف سے خاندان اور معاشرے کے دباؤ میں اسکے اندر مشکلات پیدا نہ کریں۔ذیل میں ولایت اجبار سے متعلق چند دلائل ذکر کئے جارہے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔(مرتب)

(۱) فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ (نساء:۳)

ترجمہ: پس تم نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں عورتوں میں سے

توضیح: حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب النکاح کے شروع میں پہلا باب قائم کیا ہے ''باب الترغیب فی النکاح'' اور استدلال کیا قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے ٹکڑے سے یہاں تشریح کرتے ہوئے حضرت الاستاذ مفتی امین صاحب پالن پوری نے فرمایا کہ امام بخاری آیت کریمہ کے ذریعہ سے نکاح کی ترغیب دلانا چاہ رہے ہیں کہ عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئے ان سے جتنا جلدی ہو سکے نکاح کرلو۔

(۲) واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم (نساء:۲۵)

ترجمہ: اور حلال ہیں تمہارے لئے (وہ عورتیں) جو انکے علاوہ ہیں کہ تم انکو تلاش کرو اپنے مالوں کے ذریعہ۔

توضیح: مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ محرمات کے کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح کرنا حلال ہے اب جس چیز کو قرآن کریم نے حلال کیا ہے اس سے منع کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں بلکہ حلال کام پر اعانت کرنی چاہئے۔جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے۔

وَتعاونوا علی البر والتقوی (مائدہ:۲)

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقوے کے کاموں پر۔

وضاحت: مذکورہ آیت میں باری تعالی نے نیکی اور تقوے کے کام پر معاونت کی ترغیب دی ہے اور نکاح گناہ سے بچانے اور انسان کے اندر تقوی پیدا کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے اسلئے نکاح کو آسان بنانے کے لئے حلال عورتوں سے نکاح کرنے پر ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے۔

(۳)عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یر للمتحابین مثل النکاح

۔(ابن ماجہ حدیث: ۱۸۴۷) وفی مشکاۃ المصابیح لم تر علی مکان لم یر (مشکاۃ المصابیح ص ۲۶۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما آپس میں دو محبت کرنے والوں کے درمیان نکاح سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔

توضیح: فقہاء کرام نے مذکورہ حدیث شریف کی مختلف تشریحات کی ہے بعض نے کہا کہ دو خاندانوں کے درمیان محبت پیدا کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ نکاح ہے۔ اور بعض نے کہا اگر دو اجنبیوں کے درمیان محبت ہو جائے تو انکے لئے سب سے بہتر ہے کہ آپس میں نکاح کر لیں۔

(حاشیہ مشکاۃ المصابیح: ص ۲۶۸، انوار المصابیح ج ۲/ص ۲۵)

(۴)عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الأیم أحق بنفسها من ولیها

(مسلم ج ۱/ص ۴۵۵) (بخاری ج ۲ ص ۷۷۱) (سنن أبی داؤد ج ۱/ص ۲۶۸) (مشکاۃ المصابیح: ص ۲۷۰)

ترجمہ: بے نکاحی (بالغہ) عورت اپنے ولی کے مقابلہ میں خود اپنا نکاح کرنے کی زیادہ حق دار ہے۔

توضیح: اس سے معلوم ہوا کہ بالغ لڑکی پر نکاح کے معاملہ میں زبردستی نہیں کی جاسکتی تاہم بہتر یہی ہے کہ بہر حال لڑکی اپنے نکاح میں خود اقدام کرنے کے بجائے اپنے ولی کو واسطہ بنائے، کیوں کہ ولی خاندانی مصالح کو اس سے بہتر طور پر جان سکتا ہے۔ (کتاب المسائل: ج ۴/ص ۱۲۳)

(۵)عن خنساء بنت خذام الانصاریۃ أن أباها زوجها وهی ثیب فکرهت ذلک فأتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرد نکاحها۔ (صحیح البخاری حدیث: ۵۱۳۸، باب إذا زوج إبنته وهی کارهة)

ترجمہ وتوضیح:

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے باپ خدام نے انکی مرضی کے خلاف کر دیا تھا جبکہ وہ بیوہ تھی پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو ختم کر دیا۔ اس حدیث میں صراحت ہے کہ وہ بیوہ تھی کنواری کا حکم قیاس سے لیں گے۔

(تحفۃ القاری ج ا/ص ۱۷۲)

(٦)عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن جاریة بکرا أتت النبی صلی اللہ علیه و سلم فذکرت أن أباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی صلی اللہ علیه و سلم . (سنن ابی داؤد, کتاب النکاح باب فی البکر یزوجها ابوها)

توضیح:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی خدمت میں ایک بالغہ باکرہ نے آکر شکایت کی کہ اسکے باپ نے اسکا نکاح بغیر اسکی اجازت کے کردیا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار مرحمت فرمایا حدیث مسلک احناف کے عین موافق ہے کہ بالغہ پر کسی کو حق اجبار نہیں ہے اگر چہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو۔ (الدر المنضو د ج ۴/ص ۴۱)

(۷)عن عبد اللہ بن بریدة عن ابیه قال: جائت فتاة إلی رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم .
فقالت: إن ابی زوجنی ابن اخیه لیرفع بی خسیسة قال: فجعل الامر الیها فقالت قد أجزت ما صنع إبی: ولٰکن اردت ان اعلم النساء أن لیس إلی آباء من الامر شئ۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۹۰, ابن ماجه ص ۱۳۵ باب من زوج ابنته وهی کارهة)

(۸) ویعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وإن لم یعقد علیها ولی بکرا کانت اوثیبا الخ .
(هدایه: ج ۲/ص ۳۳۵)

ترجمہ: اور آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح منعقد ہوتا ہے اسکی مرضی سے، اگر چہ ولی اس پر عقد نہ کرے باکرہ ہو یا ثیبہ حضرات شیخین کے نزدیک۔

(۹) عن طاؤس عن أبیه قال لا یکره الرجل ابنته الثیب علی نکاح هی تکرهه (مصنف لابن شیبة: ج ۳/ص ۴۴۶)

(۱۰)ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ (در مختار)و إن زوجها بغیر استئمار فقد اخطأ السنة وتوقف علی رضاها (فتاوی شامی ج ۴/ص ۱۵۹)

(۱۱)لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها . (هندیه: ج ۴/ص ۳۵۳)

(۱۲)أما ولایة الحتم والایجاب والاستبداد فشرط ثبوتها علی اصل اصحابنا کون المولی علیه صغیرا او کبیرا أو مجنونا کبیرا او مجنونة کبیرة سواء کان الصغیرة بکرا او ثیبا . فلا تثبت هذه الولایة

علی البالغ العاقل و لا علی العاقلة البالغة .(بدائع الصنائع ج ۲/ص ۵۰۴)

(۱۳)و لا یزوج البکر البالغة أبوھا علی کرہ منھا۔(تاتارخانیہ ج ۴/ص ۹۱)

(۱۴)و لا تجبر بکر بالغة علی النکاح ای لا ینفذ عقد الولی علیھا بغیر رضاھا عندنا۔(البحر الرائق: ج ۳/ص ۱۹۴، زکریا)

(۱۵)و لا یجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح۔(ھدایہ ج ۲/ص ۳۳۵)

(۱۶)بالغ لڑکے کو نکاح پر مجبور کرنا والدین اور اعزاء کے لئے شرعاً جائز نہیں ہے۔(فتاوی قاسمیہ ج ۱۵/ص ۵۶۲)

(۱۷)گھر والوں کا لڑکے کو اس کی مرضی کے خلاف دوسری جگہ شادی کرنے پر مجبور کرنا صحیح نہیں ہے، جہاں وہ چاہتا ہے وہیں شادی کردینی چاہئے۔(فتاوی قاسمیہ ج ۱۵ص ۵۶۰)

(۱۸)سوال: والدین بالغ لڑکے کی شادی کرنا چاہتے ہیں مگر جہاں والدین شادی کرتے ہیں لڑکا اسکے خلاف دوسری جگہ کا خواہش مند ہے والدین کو وہاں شادی کرنی چاہئے یا نہیں اگر لڑکا والدین کے خلاف شادی کریگا تو گنہگار رہے یا نہیں۔

الجواب: جہاں لڑکا خواہش مند ہے والدین کو وہاں ہی نکاح کرنا چاہیے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ خلاف کرنے میں زوجین میں موافقت نہ ہو اور لڑکے کو حتی الوسع والدین کی اطاعت کرنی چاہیے، لیکن اپنی خواہش اور رضا کے موافق والدین کی مرضی کے خلاف نکاح کریگا تو گناہگار نہیں ہے بعد میں جس طرح ہو والدین کو راضی کرلے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ج ۸/ص ۱۱۰)

نکاح میں اولیاء کی ذمہ داری کے متعلق

چند مفتیان کرام کی رائے

(۱) حضرت الاستاذ مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم

بدلے ہوئے حالات میں اولیاء کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ وہ بچوں کے رجحان اور طبعی میلان کو نظر انداز کر کے رشتوں کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کریں؛ بلکہ جو بھی فیصلہ ہو وہ بچوں کو اعتماد میں لے کر ہونا چاہئے، اور اگر بچوں کی طرف سے کوئی رائے سامنے آئے اور اُس رائے کو قبول کرنے میں بظاہر کوئی بڑا نقصان نہ ہو تو اُن کی خواہش کا خیال کر کے ہی رشتوں کے سلسلہ میں پیش قدمی کرنی چاہئے، اور بے جا ضد اور زور زبردستی کا راستہ نہیں اپنانا چاہئے، اور نہ ایسا ماحول بنانا چاہئے کہ بچے خودسر ہو کر کوئی ناگوار اقدام کرنے پر مجبور ہو جائیں؛ بلکہ بچوں کے پرسکون مستقبل کو دیکھتے ہوئے مثبت رویہ اپنانا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بچوں کو اپنے اولیاء کی رعایت کرنی ضروری ہے، اسی طرح اولیاء کو بھی بچوں کے جذبات کی رعایت لازم ہے، اگر دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں گے تو ان شاء اللہ یہ رشتہ پائیدار ہوگا اور خیر کا باعث بنے گا۔

(مستفاد: کتاب المسائل ج ۴ ۱۲)

(۲) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

اگر لڑکی بالغ ہو تو باپ پر واجب ہے کہ اس کی رضا مندی ہی سے رشتہ کرے، زبردستی اس پر کوئی رشتہ تھوپ دینا جائز نہیں، یہ بچوں کے ساتھ حق تلفی ہے، اور حق تلفی کسی کی بھی ہو، گناہ ہے، اس معاملہ میں چوں کہ شریعت نے نکاح کرنے والوں کی پسند و ناپسند کو زیادہ اہمیت دی ہے، اس لیے اگر ماں باپ کا مرغوب رشتہ لڑکی کو پسند نہ ہو تو اسے مناسب طریقہ پر اس سے انکار کرنے کا حق حاصل ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ لڑکیوں کو بھی یہ بات ہے ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ان کے اولیاء زیادہ تجربہ کار اور حالات سے واقف ہیں، اور وہ ان کے بہی خواہ بھی ہیں، اس لیے اگر وہ کسی رشتہ کو مناسب سمجھتے ہوں تو بہتر ہے کہ اسے ترجیح دی جائے اور اگر اس رشتہ سے طبیعت کو بالکل ہی اباء نہ ہو تو دل کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے، ولی کے لیے بالغ لڑکی پر کسی رشتہ کو تھوپنا گناہ ہے، اور خود لڑکی کے لیے ولی کے انتخاب کو (اگر دل آمادہ ہو سکے) قبول کر لینا مستحب ہے۔ (مستفاد: کتاب الفتاوی: ج ۴ /ص ۳۱۸)

(۳) حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم

والدین کوخوش رکھنے کا مسئلہ اپنی جگہ اہم اور مستقل مسئلہ ہے اور کسی لڑکی سے نکاح کا مسئلہ اس سے الگ مستقل دوسرا مسئلہ ہے۔ شریعت نے دونوں کا حکم مستقل طور پر بیان کیا ہے اولاد پر لازم ہے کہ والدین کوخوش رکھیں اور والدین پر لازم ہے کہ نکاح کے معاملہ میں لڑکے اور لڑکی کی مرضی کا لحاظ رکھے، اور ان کی مرضی کے بغیر والدین کی طرف سے دباؤ ڈال کر کے ان کا نکاح کر دینا جائز نہیں، اس میں والدین گنہگار ہوں گے؛ اس لئے نکاح کے معاملہ میں والدین کو اولاد کی رضامندی کا لحاظ رکھنا لازم ہے، جہاں لڑکا یا لڑکی نکاح کرنا پسند کریں، اگر چہ والدین کو وہ جگہ پسند نہ ہو، تب بھی والدین کو اولاد کی مرضی کے مطابق نکاح کے معاملہ میں رضامند ہونا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی قاسمیہ ج ۱۳/ص ۵۷۰)

کفاءت کا بیان

متعدد روایات کو سامنے رکھ کر فقہاء نے نکاح میں زوجین میں کفاءت کا خیال رکھنے کے متعلق مسائل بیان فرمائے ہیں، لیکن برصغیر میں کفاءت کے موضوع کو لے کر جو تشدد آمیز رویہ اختیار کیا جانے لگا ہے اور برادری کی جھوٹی عزتوں کی خاطر غیر برادریوں کے رشتہ کے لئے جو بے لچک انداز اپنایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے گھروں اور خاندانوں میں سخت ناگوار، رسوا کن حالات پیش آتے ہیں، یہ سب باتیں اسلامی روح کے خلاف ہیں، کفاءت ایک حکم انتظامی ہے، اس کو اسی حد تک رکھنا ضروری ہے، اس کی بنیاد پر مسلم برادریوں کے درمیان تحقیر وتنقیص یا ترفع وتعلّی کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہئے، اورمعاشرہ کے با اثر افراد کو آگے بڑھ کر اس بارے میں پیدا شدہ بے اعتدالیوں پر روک لگانی چاہئے۔(مستفاد: کتاب المسائل ج ۴/ص ۵۷)

عجمی برادریوں میں کفاءت

عجمی (غیر عربی النسل) خاندانوں اور برادریوں میں کفاءت کے مسئلہ کا مدار لوگوں کے عرف پر ہے، پس جن برادریوں کو آپس میں عام طور پر ایک دوسرے کا کفو سمجھا جاتا ہے اُنہیں کفو سمجھا جائے گا، اور جن برادریوں میں آپس میں رشتہ داریاں معیوب سمجھی جاتی ہیں، انہیں غیر کفو قرار دیا جائے گا، اور اس بارے میں علاقوں کے اعتبار سے عرف الگ الگ ہوتا ہے، کہیں کوئی برادری برتر سمجھی جاتی ہے اور وہی برادری دوسرے علاقہ میں اس معیار پر پوری نہیں اترتی، اس لئے کسی خاص برادری کی تعیین کئے بغیر عجمی خاندانوں میں سارا مدار لوگوں کے عرف پر رکھا جائے گا۔

(مستفاد: کتاب المسائل: ج ۴/ص ۶۰)

کفاءت میں اعتبار مرد کی جانب سے ہے نہ کہ عورت کی جانب کا

یعنی مرد عورت سے کم درجہ کا نہ ہونا چاہیے البتہ اگر عورت کم درجہ کی ہو تو گوارہ کیا جاسکتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کم ذات کو خواہ لڑکی دے دے مگر کم ذات کی لڑکی لے نہیں کیونکہ اگر کم ذات کی لڑکی آتی ہے اور اس سے اولاد ہوتی ہے تو اپنے خاندان کی نسل بگڑتی ہے اور اگر کم ذات کے گھر لڑکی چلی گئی تو اس کی نسل سنورتی ہے (حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس نظریہ میں) شریعت کے ساتھ مزاحمت ہے۔

(مستفاد: اسلامی شادی: ص ۵۵)

کفاءتِ نسب میں ماں کا اعتبار نہیں باپ کا اعتبار ہے

ایک بڑی کوتاہی یہ ہے کہ نسب میں ماں کا بھی اعتبار کرتے ہیں یعنی اگر کسی کی ماں شریف نہ ہو تو اس کو شریف نہیں سمجھتے اور اس لیے اس کو اپنا ہمسر نہیں جانتے حالانکہ شریعت نے کفاءتِ نسب کے باب میں ماں کا کچھ اعتبار نہیں کیا۔اہل عرب بھی نسب میں عورتوں کی وجہ سے نقص نہیں نکالتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ماں کا نسب میں اعتبار کی ایسی جڑا کھاڑی ہے کہ ان کو سر اٹھانے کا موقع نہیں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیبیاں تھیں ایک حضرت سارہ وہ تو ان کی خاندان کی تھیں۔دوسرے حضرت ہاجرہ جن کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جو ابوالعرب ہیں۔وہ کنیز تھیں تو جو عورت سارے عرب کی اصل ہے وہ کنیز ہیں۔

اب جو قبائل عرب ہندوستان میں عورت کے کھوٹ کی وجہ سے دوسرے خاندانوں میں عیب نکالتے ہیں وہ اس دھبہ کو دھوئیں کس طرح دھوتے ہیں مگر درحقیقت یہ کوئی عیب ہی نہیں اس لیے کہ شریعت نے نسب میں ماں کا اعتبار نہیں کیا۔(مستفاد:اسلامی شادی:ص ٦١)

دین کے اعتبار سے عورت کا مرد سے کم ہونا مضر نہیں

منجملہ ان اوصاف کے جن کا شریعت نے کفاءت میں اعتبار کیا ہے۔ایک دین بھی ہے اور اس میں بھی نسب کی طرح عورت کا مرد سے کم (درجہ کا) ہونا مضر نہیں۔البتہ مرد کا عورت سے کم ہونا مضر ہے۔(مستفاد:اسلامی شادی:ص ٦٦)

بے جوڑ شادی میں لڑکی کو انکار کر دینا چاہیے

امام صاحب کی روح پر ہزاروں رحمتیں ہوں وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب لڑکی بالغ ہوئے تو اس پر کسی کا اختیار نہیں رہا یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مگر اتفاق سے امام صاحب کا فتویٰ بالکل صحت کے موافق ہے۔

آج کل اس کو بے شرمی سمجھتے ہیں کہ ماں باپ نکاح کرنا چاہیں اور لڑکی انکار کر دے حالانکہ شادی کی فرمائش کرنا بے شرمی ہے انکار کرنا بے شرمی نہیں بلکہ یہ تو عین حیا ہے کہ بیاہ کو پسند نہیں کرتی۔دیکھ لو یہ عقل کی بات ہے یا نہیں تو ایسے مواقع میں لڑکیوں کو ضروری انکار کر دینا چاہئے۔(مستفاد:اسلامی شادی ٧٢)

کفاءت صرف مرد کی جانب سے معتبر ہے

(۱) معاشرتی مصلحت کے تحت فقہاء نے کفائت کی گنجائش رکھی ہے،اور اس کا اعتبار عورت کی جانب سے رکھا ہے، کہ اگر عورت کا نکاح کسی ایسے مرد سے ہوا جسے سماج میں نسبتاً کمزور سمجھا جاتا ہو اور یہ نکاح لڑکی نے اپنے طور سے کیا ہو،تو

ولی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا یا لڑکی اور اس کے اولیاء کو غلط باور کرا کر نکاح کر لیا گیا ہو، تو اس صورت میں بھی اس نکاح کو فسخ کرایا جا سکتا ہے، لیکن لڑکا جس عورت سے بھی نکاح کرے خواہ سماجی اعتبار سے وہ کمزور سمجھی جاتی ہو، نکاح لازم ہو جائے گا کیونکہ مرد کے حق میں یہ بات باعث عار نہیں سمجھی جاتی۔ بہرحال بہتر یہی ہے کہ رشتوں میں دین اور تقوی کو معیار بنایا جائے، نہ کہ ذات پات اور برادری کو۔

(مستفاد: کتاب الفتاوی ج ۴/ص ۳۵۷)

(۲) برادری کفو کا شریعت میں جو اعتبار ہے، وہ صرف لڑکی والوں کی طرف سے ہے، لڑکوں کی طرف سے ان کے اولیاء اور وارثین کو کسی قسم کے اعتراض اور لڑکی والوں میں خامی اور کمی نکالنے کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی قاسمیہ ج ۱۳/ص ۶۱۰)

(۳) کفاءت صرف مرد کی جانب سے معتبر ہے، یعنی شوہر کو عورت کے ہم رتبہ ہونا چاہئے، عورت کی جانب سے معتبر نہیں؛ لہٰذا اگر مرد برتر ہو اور عورت کم رتبہ ہو تو اُس میں شرعاً کسی کو اعتراض کا موقع نہیں ہے۔ (مستفاد کتاب المسائل: ج ۴/ص ۶۵)

(۴) ادنیٰ خاندان کی عورت سے نکاح کرنے سے اولاد کے نسب میں کچھ فرق نہیں پڑتا: زید کا غیر کفو میں نکاح کر لینے سے زید کی اولاد کے نسب میں کچھ فرق نہیں ہوا کیونکہ نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ج ۸/ص ۲۱۷)

(۵) اگر کوئی بالغ لڑکا بلا رضا ولی کے اپنا نکاح کسی غیر کفو سے کرے تو وہ صحیح ہے۔ اور ولی اسکو فسخ نہیں کر سکتا کیونکہ کفاءت کا اعتبار اس میں نہیں ہے کہ کوئی شریف مرد کسی کم نسب والی عورت سے نکاح کرے کہ اس میں عورت کو کچھ عار نہیں ہے اور مرد کی اولاد جو اس عورت سے ہوگی وہ باپ کے نسب پر ہوگی۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ج ۸ ص ۲۱۷)

(۶) مرد عورت کا کفو ہونا چاہئے عورت مرد کی کفو ہو یا نہ ہو

واضح رہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف عورت کی طرف سے ہے، یعنی ضروری ہے کہ شوہر عورت کے معیار کا ہو یا اس سے بڑھ کر ہو۔ عاقل بالغ مرد نے کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں شرعاً منعقد اور لازم ہے اس پر مرد کے اہل خانہ کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ (نئے مسائل اور علماء ہند کئے فیصلے: ص ۹۲)

(۷) **بخلاف جانبها لان الزوج مستفرش فلا تغيظه دنائة الفراش**۔ (هدایه: ج ۲/ص ۳۴۱)

ترجمہ: برخلاف عورت کی جانب کے اسلئے کہ شوہر فراش بنانے والا ہے لہذا فراش کا کمتر ہونا اسکو غضبناک نہیں بنائیگا۔

توضیح: البتہ عورت کی جانب میں کفائت معتبر نہیں یعنی مرد شریف خاندان کا ہو اور عورت کمتر خاندان کی ہو تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں اسلئے کے شوہر فراش بنانے والا ہے، لہٰذا فراش کا ادنی اور کمتر ہونا اسکو غیض میں مبتلا نہیں کریگا۔ (اشرف الہدایہ کتاب النکاح: ص۱۲۸)

(۸)الكفائة معتبرة من جانبه أى الرجل لأن الشريفة تأبى ان تكون فراشا للدنى، ولذا لاتعتبر من جانبها لإن الزوج مستفرش فلا تغيضه دنائة الفراش، وهذا عند الكل فى الصحيح۔ (فتاوى شامى ج۴/ص۲۰۷)

(۹)و اما بيان من تعتبر له الكفائة فالكفائة تعتبر للنساء لا للرجال على معنى أنه تعتبر الكفائة فى جانب الرجال للنساء و لا تعتبر فى جانب النساء للرجال لأن النصوص وردت بالإعتبار فى جانب الرجال خاصة۔ (بدائع الصنائع: ج۲/ص ۶۲۹)

(۱۰)الكفائة معتبرة فى الرجال للنساء و لا تعتبر فى جانب النساء للرجال فأذا تزوجت المرأة رجلا خيرا منها فليس للولى أن يفرق بينهما . بإن الولى لا يتعير بأن يكون تحت الرجل من لا يكافئوه۔ (هنديه ج ۱/ص ۳۵۶)

(۱۱)كون المرأة ادنى و هى معتبرة فى النكاح لان المصالح! إنما تنتظم بين المتكافئين عادة لان الشريفة تأبى أن تكون مستفرشة للخسيس بخلاف جانبها لإن الزوج مستفرش فلا يغيظه دنائة الفراش . (البحر الرائق: ج۳/ص ۲۲۵)

(۱۲)لإن الشريفة تأبى ان تكون مستفرشة للخسيس فلا بد من اعتبارها بخلاف جانبها لإن الزوج مستفرش فلا يغيظه دنائة الفراش .

(تبين الحقائق ج ۲/ص ۵۱۷)

(۱۳) بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه مكافئة او لا: فإنه صحيح لازم. (ردالمحتار: ج۴/ص۲۰۷)

عقد نکاح کا بیان

نکاح کی تقریب

تقریب نکاح کا انعقاد شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہونا چاہئے؛ تاکہ دینی و دنیوی برکتوں سے سرفراز ہوا جاسکے۔ اس بارے میں درج ذیل ہدایتوں کو خاص طور پر سامنے رکھا جائے:

ایک عمومی ضابطہ تو یہ ہے کہ پوری تقریب میں اسراف بے جا اور فضول خرچیوں سے ہر ممکن احتراز کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم مشقت ہو۔

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مؤنة (مشكاة المصابيح: ج ۲ ص ۲۶۸)

آج کل عام طور پر محض نام وری یا اپنی خاندانی روایات برقرار رکھنے کے لئے تقریبات میں بے حد فضول خرچی کی جاتی ہے، اور بسا اوقات وسعت نہ ہونے کے باوجود قرض وغیرہ لے کر اپنی انانیت کو تسکین دی جاتی ہے، یہ طریقہ نہایت قابل مذمت اور قابل ترک ہے۔

(۲) نکاح کی مجلس برسر عام منعقد کی جائے۔ ارشاد نبوی ہے:

أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ.

اس نکاح کا اعلان کرو۔ (ترندی شریف ۱/۲۰۷)

جس نکاح کا عام اعلان نہ ہو وہ اگر شرائط کے مطابق ہو تو اگرچہ منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اس طرح کے نکاحوں میں بہت سے مفاسد ہیں جن سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ویندب إعلانه۔ (شامی: ۳/۶۶، زکریا)

(۳) نکاح مسجد میں کیا جائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نکاح مساجد میں کیا کرو۔

وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ . (سنن الترمذيج ۱ ص ۲۰۷ مشكاة المصابيح: ج ۲ ص ۲۷۲)

حقیقت یہ ہے کہ مسجد میں نکاح بہت سی خرابیوں کو روکنے کا سبب ہے اور عبادت ہونے کی بنا پر اس کا مسجد میں ہی انجام پانا زیادہ مناسب ہے۔

وكونه في مسجد يوم جمعة۔ (الدر المختار: ج ۴/ص ۶۷)

(۴) بہتر ہے کہ اس مبارک تقریب کا انعقاد جمعہ کے دن کیا جائے۔ (خواہ جمعہ کی نماز کے بعد ہو یا عصر کے بعد)

(۵) دولہا کے گلے میں پھولوں اور نوٹوں کا ہار ڈالنا اور سہرا باندھنا یہ سب ہندوانی رسمیں ہیں، اُن سے احتراز کیا جائے۔

(٦) تقریب نکاح کے دوران خاص طور پر اس کا خیال رکھا جائے کہ کوئی خلاف شرع رسم ورواج اور گناہ کا کام نہ ہو، مثلاً ناچ گانا، بینڈ باجا، فوٹو کھینچنا، ویڈیو فلم بنانا وغیرہ؛ کیوں کہ یہ سب امور نکاح کی برکت کو مٹانے والے ہیں۔

(۷) رسم ورواج کے مطابق لمبی لمبی باراتیں لے جانا بھی شرعاً مذموم ہے، اس طریقہ کو ترک کیا جائے، البتہ ضرورت کے بقدر کچھ لوگ ساتھ جائیں تو حرج نہیں۔

(مستفاد: کتاب المسائل: ج ۴/ ص ۸۷ تا ۸۰)

کیا تین مرتبہ قبول کرنا ضروری ہے؟

نکاح منعقد ہونے کے لئے ایک مرتبہ قبول کرنا کافی ہے، تین مرتبہ کا التزام کہیں ثابت نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ج ١٦/ ص ١٦٩، میرٹھ)

ٹیلی فون یا انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح

ٹیلی فون یا انٹرنیٹ کے ذریعہ براہ راست نکاح درست نہیں ہے، اگر چہ دونوں کی تصویریں آمنے سامنے نظر آرہی ہوں، اور دونوں طرف گواہ موجود ہوں، پھر بھی یہ نکاح درست نہ ہوگا؛ اس لئے کہ ایجاب وقبول اور گواہوں کے ایک مجلس میں حقیقی طور پر پائے جانے کی شرط مفقود ہے۔ (کتاب الفتاوی ج ۴ ص ۳۰٦)

و شرط حضور شاهدين الخ، سامعين قولهما معا على الأصح (الدر المختار ج ۴/ ص ۸۷ تا ۹۱)

متبادل صورت:

ٹیلی فون یا انٹرنیٹ کے نکاح کے بجائے متبادل آسان شکل یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کو اپنے نکاح کا وکیل بنادے، اور وکیل بنانے کے لئے ٹیلی فون سے بات کرنا بھی کافی ہے، اس کے لئے گواہی شرط نہیں، پھر وہ لڑکا یا لڑکی اُسی مجلس میں دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں نے فلاں سے اپنا نکاح کرلیا، تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا، بشرطیکہ گواہ یہ جانتے ہوں کہ کس سے نکاح ہو رہا ہے نیز یہ صورت بھی اپنائی جاسکتی ہے کہ لڑکا یا لڑکی کے علاوہ مجلس میں موجود کسی اور شخص کو نکاح کا وکیل بنادیا جائے اور وہ مجلس میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب کرے اور پھر لڑکا یا لڑکی اسے قبول کرے، تو بھی نکاح درست ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ج ١٦/ ص ۲۲۴ میرٹھ)

کورٹ میرج (court marriage) کا حکم

سرکاری عدالت میں غیر مسلم لوگوں کے سامنے جو نکاح کی کاغذی کارروائی کی جاتی ہے وہ شرعاً معتبر نہیں ہے، جب تک کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے زبانی ایجاب وقبول نہیں پایا جائے گا، کورٹ میرج کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

و شرط حضور شاهدين حرين الخ, مسلمين لنكاح مسلمة .

(الدر المختار: ج۴ ص۸۷ تا ۹۲ زکریا)

خفیہ نکاح کے بعد عمومی مجلس میں تجدید نکاح کا حکم

گھر والوں کو اعتماد میں لئے بغیر عاقل بالغ زوجین نے دو گواہوں کے سامنے خاموشی سے نکاح کرلیا، بعد میں گھر والوں کو راضی کرکے باقاعدہ عمومی مجلس میں دستور کے موافق نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو شرعاً ایسا کرنا منع نہیں ہے۔

لیکن اصل نکاح پہلا ہی کہلائے گا، دوسرا نکاح محض رسمی کارروائی سمجھی جائے گی، اور مہر کے بارے میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر پہلی ہی مہر پر نکاح ہوا ہے تو (راجح قول کے مطابق) ایک ہی مہر واجب رہے گی، اور اگر پہلے مہر سے بڑھا کر دوسرا نکاح ہوا ہے تو اضافہ شدہ رقم بھی اصل مہر میں شامل ہوکر واجب ہوگی، یہی قول ظاہر ہے۔

(مستفاد: کتاب المسائل ج ۴/ص ۹۶)

وفي الكافي: جدد النكاح بزيادة ألف لزمه ألفان على الظاهر (الدر المختار) وفي الشامي: حاصل عبارة الكافي: تزوجها في السر بألف ثم في العلانية بألفين ظاهر المنصوص في الأصل أنه يلزم عنده الألفان، ويكون زيادة في المهر، وعند أبي يوسف المهر هو الأول؛ لأن العقد الثاني لغو فيلغو ما فيه، وعند الإمام أن الثاني وإن لغا لا يلغو ما فيه من الزيادة الخ. أقول: بقي ما إذا جدد بمثل المهر الأول ومقتضى ما مر من القول باعتبار تغيير الأول إلى الثاني أنه لا يجب بالثاني شيء هنا، إذ لا زيادة فيه وعلى القول الثاني يجب المهران. تنبيه في القنية: جدد للحلال نكاحا بمهر يلزم إن جدده لأجل الزيادة لا احتياطا أي لو جدده لأجل الاحتياط لا تلزمه الزيادة بلا نزاع.

(الدر المختار مع الشامي: ج۴ ص۲۴۷ تا ۲۴۸ زکریا)

مذاق میں ایجاب وقبول کرنا

اگر زوجین نے مذاق میں گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیا، تو بھی یہ نکاح منعقد ہو جائے گا؛ اس لئے کہ نکاح میں مذاق اور سنجیدگی کا حکم یکساں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة.

(سنن الترمذي، أبواب الطلاق /باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق: ۱/۲۲۵)

مستحبات نکاح کا بیان

علماء نے لکھا ہے کہ نکاح کے وقت جانبین میں کچھ امور کا خیال رکھنا مستحب اور افضل ہے، لازم نہیں۔

چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی علیہ الرحمہ نے الدر المختار مع الشامی زکریا ج ۴ /ص ۶۷ میں ایسی سولہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کا لحاظ رکھنا نکاح کے وقت میں مستحب اور افضل ہے:

(۱) نکاح سے پہلے اس کا اعلان اور شہرت کرنا۔

(۲) نکاح سے پہلے ایک خطبہ پڑھنا، یہ مسنون ہے لازم نہیں؛ لہٰذا بغیر خطبہ کے بھی نکاح صحیح ہو جائے گا۔

(۳) نکاح کی مجلس مسجد میں قائم کرنا۔

(۴) اگر ممکن ہو تو جمعہ کے دن نکاح کرنا۔

(۵) کسی عالم دین سے نکاح پڑھوانا۔

(۶) دیندار گواہوں کی موجودگی میں نکاح منعقد ہونا؛ لہٰذا فاسق اور بددین مسلمانوں کی گواہی میں بھی نکاح صحیح ہو سکتا ہے۔

(۷) اگر ضرورت پڑے تو قرض لے کر نکاح کرنا؛ لیکن شرط یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کا پختہ ارادہ ہو۔

(۸) شادی سے پہلے بیوی کو ایک نظر دیکھ لینا یہ شریعت میں مستحب اور افضل کام ہے، لیکن ہمارے معاشرہ میں اس کو برا مانا جا رہا ہے۔

(۹) بیوی کی عمر شوہر کے مقابلہ میں کم ہونا افضل ہے، لیکن اگر زیادہ عمر والی عورت سے نکاح کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ بھی سنت کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۰) خاندانی اعتبار سے بیوی کا شوہر کے مقابلہ میں کمزور ہونا۔

(۱۱) عزت اور شرف کے اعتبار سے بیوی کے مقابلہ میں شوہر کا بڑھا ہوا ہونا۔

(۱۲) مالی حیثیت سے بیوی کے مقابلہ میں شوہر کا فائق ہونا۔

(۱۳) بیوی کے اخلاق شوہر کے مقابلہ میں فائق ہونا، تا کہ بیوی سے شوہر کی محبت زیادہ ہو جائے۔

(۱۴) ادب واحترام میں بیوی کا شوہر سے فائق ہونا؛ اس لئے کہ شوہر کا مرتبہ بیوی سے اونچا ہوتا ہے۔

(۱۵) عفت و پاک دامنی کے اعتبار سے بیوی کا شوہر سے فائق ہونا، تا کہ اجنبیوں سے کنارہ کش ہو کر صرف شوہر کے ساتھ تعلق رہے۔ (مستفاد فتاوی قاسمیہ ج ۱۲ ص ۴۹۰)

مہر کا بیان

شریعت کی نظر میں مہر کی اہمیت

اسلامی شریعت میں نکاح کا سب سے اہم اور لازمی خرچ عورت کا مہر ہے، یہی وہ خرچ ہے جو بہر حال مرد پر لازم ہوتا ہے۔ چناں چہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَ اٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً [النساء:٤]

تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو۔ نیز درج ذیل آیت سے بھی مہر کے لازمی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَ أُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ، فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاٰتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً، وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ، إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا [النساء:٢٤]

اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان (مذکورہ محرمات) کے علاوہ، بشرطیکہ ان کو اپنے مال کے بدلے طلب کرو، قید میں لانے کو نہ کہ مستی نکالنے کو، پھر تم ان عورتوں میں سے جس سے فائدہ اٹھاؤ، تو ان کو ان کا مقررہ حق ادا کرو، اور کوئی حرج نہیں ہے تم کو اس بات میں کہ مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضا مندی سے جو بات (کمی بیشی کی) طے کرلو، یقیناً اللہ تعالی خبردار حکمت والا ہے۔ اور سرور عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر ادا کرنے کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أَحَقُّ مَا أَوْفَيْتُمْ مِنَ الشُّرُوطِ أَنْ تُوْفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ. (صحيح البخاري ١/٣٧٦)

تم شادی کے اخراجات میں جن شرائط کو پورا کرتے ہو ان میں سب سے اہم اور لازمی شرط اس مہر کا ادا کرنا ہے جس کے عوض میں عورت سے انتفاع تمہارے لئے حلال ہوتا ہے۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت مہر کا ذکر بھی نہ کیا جائے یا یہ شرط لگا دی جائے کہ مہر نہ ہوگا تو بھی خود بخود مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔ نکاح میں مہر کی حکمت و مصلحت: مہر مقرر کرنے کا طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی شریف خاندانوں میں جاری تھا، اسلام نے اس کو نہ صرف برقرار رکھا؛ بلکہ اس کو ضروری قرار دیا، اس کی مصلحت بیان کرتے ہوئے صاحب بدائع الصنائع شمس العلماء علامہ علاء الدین کاسانی تحریر فرماتے ہیں: اگر محض عقد نکاح کی وجہ سے مہر لازم نہ ہو تو شوہر تھوڑی سی بھی ناچاقی پیدا ہونے پر اس ملکیت نکاح کو ہٹانے میں کوئی تکلف نہ کرے گا؛ کیوں کہ جب اس پر مہر لازم نہیں ہے تو نکاح کو زائل کرنا اس پر گراں نہ گزرے گا، پس نکاح سے مطلوب مقاصد حاصل نہ ہو پائیں گے؛ کیوں کہ نکاح کے مقاصد و مصالح بغیر باہمی موافقت کے حاصل نہیں ہو سکتے، اور یہ موافقت اسی وقت متحقق ہو سکتی ہے جب کہ بیوی شوہر کی نظر میں قیمتی اور معزز ہو اور یہ عزت

اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ اس تک پہنچنے کے لئے کسی قابل قدر مال کو؛ لازم نہ کیا جائے؛ کیوں کہ جس چیز کے حاصل کرنے کا راستہ تنگ ہوتا ہے، وہ چیز آدمی کی نظر میں باعزت ہوتی ہے، اوراس کو روک کر رکھنا اسے عزیز ہوتا ہے، اور جس چیز کا حاصل کرنا آسان ہوتا ہے، وہ نظروں میں بھی ہلکی ہوتی ہے، اوراس کو روک کر رکھنے کی بھی اہمیت نہیں ہوتی لہٰذا اگر یہ عورت شوہر کی نظر میں کم وزن ہوگی تو اس کی وجہ سے عورت کو وحشت ہوگی، اور زوجین میں موافقت نہیں پائی جائے گی، اور نکاح کے مقاصد حاصل نہ ہوں گے۔

لَوْ لَمْ يَجِبِ الْمَهْرُ بِنَفْسِ الْعَقْدِ لَايُبَالِي الزَّوْجُ عَنْ إِزَالَةِ هَذَا الْمِلْكِ بِأَدْنَى خُشُونَةٍ تَحْدُثُ بَيْنَهُمَا، لِأَنَّهُ لَا يَشُقُّ عَلَيْهِ إِزَالَتُهُ لِمَا لَمْ يَخَفْ لُزُومَ الْمَهْرِ فَلَاتَحْصُلُ الْمَقَاصِدُ الْمَطْلُوبَةُ مِنَ النِّكَاحِ وَلِأَنَّ مَصَالِحَ النِّكَاحِ وَمَقَاصِدَهُ لَاتَحْصُلُ إِلَّا بِالْمُوَافَقَةِ وَلَا تَحْصُلُ الْمُوَافَقَةُ إِلَّا إِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ عَزِيزَةً مُكَرَّمَةً عِنْدَ الزَّوْجِ، وَلَاعِزَّةَ إِلَّا بِانْسِدَادِ طَرِيقِ الْوُصُولِ إِلَيْهَا إِلَّا بِمَالٍ لَهُ خَطَرٌ عِنْدَهُ، لِأَنَّمَا ضَاقَ طَرِيقُ إِصَابَتِهِ يَعِزُّ فِي الْأَعْيُنِ فَيَعِزُّ بِهِ إِمْسَاكُهُ وَمَا تَيَسَّرَ طَرِيقُ إِصَابَتِهِ يَهُونُ فِي الْأَعْيُنِ فَيَهُونُ إِمْسَاكُهُ، وَمَتَى هَانَتْ فِي أَعْيُنِ الزَّوْجِ تَلْحَقُهَا الْوَحْشَةُ فَلَاتَقَعُ الْمُوَافَقَةُ وَلَاتَحْصُلُ مَقَاصِدُ النكاح. (بدائع الصنائع ۲/۲۷۵، ۲/۵۶۰ زکریا)

مہر ضرور ادا کرنا چاہئے

لیکن یہ بات قابل تشویش ہے کہ موجودہ مسلم معاشرہ میں مہر کی ادائیگی کے معاملہ میں بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے، مہر باندھتے وقت تو بڑی کشاکشی اور بحثا بحثی ہوتی ہے؛ لیکن بعد میں ادائیگی کی قطعاً فکر نہیں کی جاتی حتی کہ پوری عمر گذر جاتی ہے اور مہر کا نام بھی زبان پر نہیں آتا، اور ماحول اس طرح کا بنادیا گیا ہے کہ عورت کی طرف سے مہر کا مطالبہ بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے، اور اس کا ذکر بس اسی وقت ہوتا ہے

جب خدانہ کرے میاں بیوی میں کشیدگی پیدا ہو، یا طلاق کی نوبت آئے؛ بلکہ بہت سی جگہوں پر تو باقاعدہ بیوی سے مہر کی معافی کا مطالبہ ہوتا ہے، اور بیوی شرما حضوری میں یا خاندانی دباؤ میں بادل ناخواستہ معافی کا اقرار کرلیتی ہے، حالاں کہ اس طرح کی جبری معافی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۸ ص ۲۵۱ کفایت المفتی ج ۵ ص ۱۱۱ تا ۱۱۸، فتاوی محمودیہ ۱۷/ ۲۹۱ میرٹھ)

مہر ادا نہ کرنے پر سخت وعید

اور احادیث شریفہ میں شروع ہی سے مہر ادا نہ کرنے کی نیت رکھنے والے شخص کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ چناں چہ ایک حدیث میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر

شادی کرے، اور اس کے دل میں اس عورت کے حق مہر کو ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو؛ بلکہ اس نے اسے دھوکہ دیا ہو پھر وہ عورت کا حق ادا کئے بغیر مرجائے تو اللہ تعالی سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کا شمار بدکاروں میں ہوگا۔

أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ وَلَيْسَ فِي نَفْسِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَيْهَا حَقَّهَا خَدَعَهَا، فَمَاتَ وَلَمْ يُؤَدِّ إِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ الخ. (المعجم الأوسط للطبراني ۱/۵۰۱، دار الفكر بيروت رقم: ۱۸۵۱، بحوالہ انوار نبوت ۶۴۹)

بریں بنا معاشرہ میں پیدا شدہ مذکورہ کوتاہی کو دور کرنے کی سخت ضرورت ہے، اور اس بات کی ذہن سازی عام ہونی چاہئے کہ مہر عورت کا لازمی حق ہے، اور جتنی جلد اس کی ادائیگی ہوجائے بہتر ہے؛ کیوں کہ زندگی موت کا کوئی بھروسہ نہیں؛ بلکہ افضل یہ ہے کہ نکاح کے وقت ہی یا رخصتی سے پہلے ہی مہر کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے۔ چناں چہ احادیث سے ثابت ہے کہ ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نکاح پہلے ہو چکا تھا، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت تک رخصتی نہیں فرمائی، جب تک کہ مہر وغیرہ کا انتظام نہیں ہوگیا، اور اس انتظام کی وجہ سے قدرے تاخیر بھی ہوئی۔ نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا تھا کہ وہ خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی سے قبل کچھ نہ کچھ مہر ادا کریں۔ (فتاوی محمودیہ میرٹھ ۳۲۲/۱۷)

مہر کتنا مقرر کیا جائے؟

مہر مقرر کرنے میں شوہر کی مالی وسعت اور عورت کی خاندانی حیثیت دونوں کا لحاظ کرنا بہتر ہے، نہ تو اتنا کم مہر مقرر کیا جائے کہ لڑکی والے خفت محسوس کریں اور نہ اتنا زیادہ باندھا جائے کہ شوہر کے لئے اس کی ادائیگی مشکل ہوجائے؛ بلکہ مشورہ سے ادائیگی کی نیت سے مناسب مہر مقرر ہونی چاہئے، اور اس بارے میں دور نبوت اور دور صحابہ سے مختلف مہروں کا ثبوت ملتا ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی صاحب زادیوں اور اکثر ازواج مطہرات کی مہر پانچ سو درہم چاندی مقرر کی گئی تھی، جس کو آج کل مہر فاطمی کہا جاتا ہے، اس کی مقدار موجودہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ایک کلو ۵۳۱ گرام چاندی ہوتی ہے۔ (انوار نبوت ۶۵۲)

في حديث عمر ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئًا من نسائه و لا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتي عشر أوقية. (مشكاة المصابيح ۲/۲۷۷، سنن أبي داؤد ۱/۲۸۷)

(۲) اور ام المؤمنین سیدتنا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مہر صرف دس درہم چاندی تھی، جس کی مقدار موجودہ وزن کے اعتبار سے ۳۰ گرام ۶۱۸ ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ (انوار نبوت ۶۵۰)

وكان مهر بعض أزواج النبي صلى الله عليه وسلم كأم سلمة مايساوي عشرة دراهم. (حاشية سنن أبي داؤد ۱/۲۸۷)

(۳) اورام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی نے کیا تھا، اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار ہزار درہم بطور مہر ادا کئے تھے، جس کی تعداد موجودہ دور میں ۱۲ کلو ۲۴۴ گرام ۹۴۴ ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ (انوار نبوت ۶۵۳)

عن أم حبيبة رضي الله عنها أنها كانت تحت عبيد الله بن جحش فمات بأرض الحبشة فزوجها النجاشي النبي صلى الله عليه وسلم وأمهرها عنه أربعة آلاف وبعث بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم مع شرحبيل ابن حسنة. (سنن أبي داؤد ۱/۲۸۷، سنن النسائي ۲/۷۲)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر ادائیگی میں دشواری نہ ہوتو زیادہ مہر بھی باندھا جاسکتا ہے، اورقرآنی آیت: 'وآتیتم إحداهُنَّ قنطارًا' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، غالباً اسی بنا پر خلیفہ راشد امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم بنت علی سے نکاح کرتے وقت بعض مصالح سے چالیس ہزار درہم مہر ادا کیا تھا، آپ کا یہ عمل ناموری کے لئے نہ تھا بلکہ خانوادۂ نبوت سے رشتۂ مصاہرت کی تعظیم کے طور پر تھا۔

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَصْدَقَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ أَرْبَعِينَ ألف درهم (السنن الكبرى للبيهقي جديد ۱۱/٦، قديم ۷/۲۳۳، رقم: ۱٤٦۹۰، الإصابة ۸/٤٦٦، بحواله: انوار نبوت ٦٥٥)

ناموری کے لئے زیادہ مہر مقرر کرنا پسندیدہ نہیں

آج کل بعض جگہوں پر خاندانی روایات کا لحاظ کرتے ہوئے شوہر کی وسعت سے کہیں زیادہ مہر باندھنے کا رواج پایا جاتا ہے، حالاں کہ یہ کوئی پسندیدہ یا فخر کی بات نہیں؛ بلکہ بسا اوقات یہ مہر کی زیادتی خود لڑکی کے لئے نہایت مصیبت کا ذریعہ بن جاتی ہے مثلاً اگر زوجین میں موافقت نہ ہو سکے تو شوہر محض اس لئے لڑکی کو معلق رکھتا ہے کہ طلاق کی وجہ سے اسے مہر ادا کرنا پڑے گا۔ نیز زیادہ مہروں کے رواج کی وجہ سے لڑکے لڑکیوں کی عمریں ڈھل جاتی ہیں اور مال ودولت کے انتظار میں نکاح سے رکے رہتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "عورت کی بہترائی میں سے یہ ہے کہ اس کا رشتہ آسانی سے ہو اور اس کا مہر کم ہو۔ (مجمع الزوائد ج٤ص ۲۵۵)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے خبر دار عورتوں کے مہروں میں حد سے تجاوز اور مبالغہ مت کرو، اگر یہ دنیوی عزت اور اللہ کی نظر میں تقویٰ کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل فرمانے کے تم سے زیادہ مستحق تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات اور اپنی صاحبزدیوں میں سے کسی کا نکاح بارہ اوقیہ

چاندی سے زیادہ پر کیا ہو۔(مشکوۃ شریف ۲۷۷/ ۲،فتاوی محمودیہ ج ۱۲ص ۴۵ ۴ تا ۴۶ ۴ ڈابھیل)

اس لئے خاندانی رسم کی پابندی کے بجائے اپنی وسعت کے اعتبار سے مہر مقرر کرنا چاہئے ،حتی کہ اگر مہر فاطمی کی قیمت بھی چاندی کے گراں ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ ہو جائے تو جو حضرات اس کے متحمل نہ ہوں، انہیں "مہر فاطمی' پر اصرار نہ کرنا چاہئے ؛البتہ جولوگ وسعت رکھتے ہیں،توانہیں "مہر فاطمی' مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں ؛ بلکہ یہ ان کے حق میں افضل ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ ۳۸ /۱۲ڈابھیل)

مہر کی ادائیگی کی ایک آسان شکل

آج کل شادی میں مہر کے علاوہ دیگر لین دین بہت ہوتا ہے،اور عموماً لڑ کے والوں کی طرف سے قیمتی زیور بھی دیا جاتا ہے،تو اگر یہی زیور بطور مہر دے کر بیوی کو پوری طرح مالک بنادیا جائے ،تو باسانی شوہر اس فرض سے سبک دوش ہو سکتا ہے،لیکن واضح ہو کہ مہر کے طور پر زیور یا کوئی اور چیز بیوی کو دے دینے ۔ کے بعد اُسے کسی بھی حال میں بلا رضا مندی بیوی سے واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔(مستفاد: کتاب المسائل ج ۴ص ۲۸۴ تا ۲۹۰)۔

بارات کا بیان

آج کل نکاح کو مشکل بنانے کا ایک بڑا ذریعہ لمبی لمبی باراتیں لے جانا ہے۔ جسمیں بہت زیادفضول خرچی کی جاتی ہے جہاں ایک طرف لڑکے والے بیچارے لڑکی والے کے یہاں دوسوتین سو آدمی لیکرڈاکہ ڈالتے ہیں اوراگر لڑکی والے کی طرف سے کھانے وغیرہ میں کچھ کمی ہوجائے تو منھ پھلاتے ہیں۔ افسوس ہے کیسی عقل رکھنے والے لوگ ہیں۔
اگر ایسا کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ اکثر مرتبہ لڑکی والے کا حساب بھی نہیں ہوتا وہ لاکھوں روپئے قرض لیکر ان ڈاکوؤں کو کھانا کھلاتا ہے یہ سراسر ظلم ہے اور حدیث شریف میں آتا ہے۔
جو شخص کسی کے یہاں بغیر دعوت کے گیا تو وہ چور بن کر داخل ہوا، اور ڈاکو بن کر نکلا۔

عن ابن عمر - رضی اللہ عنہما قال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:---ومن دخل علی غیر دعوۃ دخل سارقا وخرج مغیرا .

(سنن أبی داؤد, کتاب الأطعمة, باب ماجاء فی إجابة الدعوة النسخة الھندیة: ۲/۵۲۵)

جسکا نتیجہ ہمارے معاشرہ میں یہ ہوا کہ بسا اوقات اگر کسی کے چند لڑکیاں پیدا ہوجائیں تو وہ باپ انکے پیدا ہوتے ہی اس فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ انکی شادی کس طرح کرنی ہے اور وہ بیچارا باپ اپنی جوانی میں ہی بوڑھا ہوجاتا ہے اور بسا اوقات لڑکیاں جوان ہوجاتی ہیں لیکن اس باپ کے پاس اتنی لمبی چوڑی بارات کا انتظام نہیں ہوتا تو وہ لڑکیاں بغیر نکاح ہی گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں جسکے نتیجہ میں بسا اوقات ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کو بیاں نہیں کیا جاسکتا۔ اور کوئی شریف سمجھے جانے والے اور خاندانی لوگ اس لڑکی کو بغیر بارات کے لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے افسوس تو ان لوگوں کی عقل پر ہوتا ہے۔ جو ایسے لوگوں کو شریف اور خاندانی کہتے ہیں جو ایک لڑکی کے باپ پر اتنا ظلم کرتے ہیں۔
وہیں دوسری طرف لڑکے والے بارات میں بہت ساری رسومات کے ذریعہ اسراف کرتے ہیں جبکہ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم میں شیطان کا بھائی کہا گیا۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔ (سورۃ الإسراء:۲۷)

اسی لئے ہمیں ضرورت ہے اس بات کی کہ ان لمبی چوڑی باراتوں پر بند لگایا جائے اور لڑکی والے کی حیثیت کے مطابق اسکی اجازت سے چند افراد جاکر لڑکی کو لے آئیں تاکہ معاشرہ سے بے نکاحی ختم ہو اور لڑکی والے کے لئے وقت پر اپنی لڑکی کا نکاح کرنا آسان ہوجائے۔ اور ایسے نکاح میں انشاء اللہ بڑی برکتیں ہوں گی کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم مشقت ہو۔

إِنَّ أَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَةً أَيْسَرُهُ مؤنة ۔(مشکاۃ المصابیح ج۲ ص ۲٦٨)

(مرتب)

بارات ہندوؤں کی ایجاد اوران کی رسم ہے

اصل میں یہ بارات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں اورقزاقوں (ڈاکوؤں) سے دوچار ہونا پڑتا تھا اس لیئے دولہا دولہن اوراسباب زیور وغیرہ کی حفاظت کے لیے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور حفاظت کی مصلحت سے بارات لے جانے کی رسم ایجاد ہوئی اوراسی وجہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آئے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو،اوراب تو امن کا زمانہ ہے اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے۔ اب حفاظت وغیرہ تو کچھ مقصود نہیں صرف رسم کا پورا کرنا اورنام آوری مدنظر ہوتی ہے۔(مستفاد: اسلامی شادی ص ۲۳۵)

بارات کے لغوی وشرعی معنی

بارات کے معنی دولہے کی سواری کا جلوس ہے،جیسا کہ فیروز اللغات،ص: ۱۹۲ پر موجود ہے۔اوراس کا حکم یہ ہے کہ کم سے کم لوگوں کوساتھ میں لے کرلڑکی والوں کے یہاں جانا چاہیۓ یالڑکی والوں نے جتنے لوگوں کو لے جانے کوکہا ہے اتنے یااس سے کم لوگوں کو لے جائیں،اس سے زیادہ لوگوں کو لے کر جانا جائز نہیں ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۷/ ۳۸۹)

باراتیوں کی تعداد اورکھانے کا معیار متعین کرنا

دولہے کے ساتھ اس کے خاندانی اوررشتہ دار جوشادی بیاہ کے موقع پرلڑکی والوں کے دعوت دینے پران کے یہاں جاتے ہیں اورلڑکی والے ان کوبخوشی حسب حیثیت کھانا کھلائیں تو یہ شکل بلا شبہ جائز اوردرست ہے،اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے،لیکن لڑکے والوں کا لڑکی والوں کی مرضی کے بغیر بذات خود باراتیوں کی تعداد متعین کرنا اورکھانے کا معیار طے کرنا یہ قطعاً ناجائز اورلڑکی والوں پر بے جاظلم وزیادتی ہے،جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔(مستفاد: انوارنبوت ص ٦٧٦ تا ٦٧٧)

بارات کی شرعی حیثیت

بارات کا مسئلہ ایسا حیرت انگیز ہے کہ متعین طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ کتنی تعداد میں بارات میں جانا جائز ہے اور کتنی تعداد میں ناجائز ہے، حضرت تھانوی اور دیگر اکابر نے ناجائز ہونے کی جو بات کہی ہے وہ مفاسد کی بنیاد پر ہے، بہت سے مفاسد اصلاح الرسوم'' میں مذکور بھی ہے، مثلاً لڑکی والوں پر دباؤ ڈالنا، اگر لڑکی والے سرمایہ دار نہیں ہیں اور ان کی حیثیت سے زیادہ افراد کو بارات میں لے جایا جائے تو ناجائز ہے، اسی طرح اگر لڑکی والوں نے چالیس افراد لانے کی اجازت دی ہے اور لڑکے والے زیادہ لانے پر دباؤ ڈالیں، تب بھی جائز نہیں، اسی طرح چالیس کی اجازت دی اور لڑکے والے پچاس، ساٹھ آدمی لے آئیں، تب بھی جائز نہیں ہے، نیز اگر لڑکی والے سرمایہ دار ہیں اور ان کو پچاس آدمیوں کی اطلاع دی گئی ہے اور پچاس ہی کے کھانے کا انتظام کیا ہے، پھر لڑکے والے سوڈیڑھ سو آدمی لے کر چڑھائی کردیں، تو لڑکی والوں کے سرمایہ دار ہونے کے باوجود بدنظمی کی وجہ سے ان کی بے عزتی ہوتی ہے؛ اس لئے ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ الغرض اس قسم کے مفاسد کی وجہ سے بارات کی ممانعت کی گئی ہے، ورنہ اگر لڑکی والوں پر کوئی دباؤ نہ ہو اور وہ بخوشی مثلاً ۴۰ آدمی لانے کے لئے اجازت دے دیں اور لڑکے والے ۴۰ کے اندر اندر لانے کی پابندی کریں، تو ایسی صورت میں عدم جواز اور قباحت کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ (مستفاد: فتاوی قاسمیہ ج ۱۲ /ص ۵۳۸)

لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانے کا حکم

لڑکے والوں کے یہاں ولیمہ کے کھانا کھلانے کے متعلق جس درجہ کی روایت حدیث شریف سے ثابت ہے، اس درجہ کی روایت لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھلانے سے متعلق ثابت نہیں ہے؛ البتہ اس۔ سے نیچے درجہ کی روایت ثابت ہے۔ مصنف عبدالرزاق ۵ / ۴۸۷، حدیث: ۹۷۸۲ اور المعجم الکبیر طبرانی – حدیث: ۱۰۲۲ میں اس بارے میں مفصل روایت موجود ہے، مگر روایت نچلے درجہ کی ہے اس لئے لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھلانے کو مسنون نہیں کہا جاسکتا، ہاں البتہ مباح اور جائز ہے جو لڑکی والوں کے لئے اختیاری عمل ہے، وہ اپنی حسب استطاعت اپنی مرضی سے جو چاہیں کھلائیں کسی کو مطالبہ کرنے یا دباؤ، ڈالنے کا حق نہیں ہے۔

وفي حديث طويل: قال علي: يا رسول الله! متى تبنيني؟ قال: الليلة إن شاء الله، ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني قد زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي الطعام عند النكاح، فأت الغنم .
(المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ٢٢/٤١١، رقم: ١٠٢٢) (بحواله فتاوى قاسميه ج ١٢/ص ٥٥٣)

لڑکی والوں کے یہاں دعوت

جب لڑکی والے بغیر کسی دباؤ اور مطالبہ کے ازخود اپنی لڑکی کی خوشی کے موقع پر اپنے دوست واحباب اور رشتہ دار و متعلقین اور باراتیوں کو بطیب خاطر کھانا کھلاتے ہیں تو یہ شرعاً جائز اور مباح ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(مستفاد: انوار نبوت، ص: ٦٧٥، کتاب الفتاوی: ج ۴/ص ۴١٦، فتاوی محمودیہ ج ١٢/ص ١۴٣ میرٹھ)

لڑکی کی شادی میں رشتہ داروں کی دعوت کرنا

لڑکی کی شادی کے موقع پر اپنے اعزہ واقرباء رشتہ داروں کو کھانا کھلانا اور اس کے لئے بخوشی مدعو کرنا اور لوگوں کا دعوت قبول کرنا اور ان کے یہاں آکر کھانا کھانا شرعاً درست ہے؛ البتہ زور دباؤ اور نام ونمود کی خاطر دعوت کرنا کرانا درست نہیں ہے، بیٹی کی شادی کے موقع پر کھانا کھلانا اور کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کھانا کھلایا ہے۔ (مستفاد: فتاوی قاسمیہ ج ١٢/ص ۵۵۴)

منڈھے کا بیان

منڈھا کرنا کیسا ہے؟

شادی میں صرف دعوت ولیمہ مسنون ہے، جو نکاح کے بعد لڑکے کی طرف سے کی جاتی ہے لہٰذا بارات سے پہلے منڈھا کے نام سے کی جانے والی دعوت سنت نہیں کہی جائے گی، اس طرح کی دعوت کو ختم کرکے ولیمہ کی مسنون دعوت کا اہتمام کرنا چاہئے، باقی جو مہمان شادی سے قبل لڑکے والوں کے یہاں پہنچ جائیں، ان کو بلا کسی التزام کے کھانا کھلانے میں حرج نہیں ہے۔ (کتاب النوازل ج ۸ ص ۴۹۵)

'منڈھا' کی حقیقت اور اُس کے کھانے کا حکم

شادی سے پہلے اپنے قریبی اعزا اور دوستوں کو گھر پر بلا کر کھانا کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ جب کہ اس میں دیگر رسومات شامل نہ ہوں، بعض جگہ یہ رسم تھی کہ شادی سے ایک دن پہلے لڑکے والوں اور لڑکی والوں کی طرف سے نائی جوڑا اور مہندی لے کر ایک دوسرے کی طرف بھیجا جاتا تھا، اور اس کی آمد کے اہتمام میں دعوت ہوتی تھی، اور بھی بعض دیگر احمقانہ اور جاہلانہ رسومات ہوتی تھیں، اور انہیں سب باتوں کے مجموعہ کو منڈھا کہا جاتا تھا تو اگر یہ باتیں پائی جائیں، تو اس میں شرکت درست نہیں ہے، اور اگر یہ رسومات نہ ہوں، بلکہ محض حاضر مہمانوں کو کھانا کھلایا جائے، تو اس میں حرج نہیں ہے۔ (مستفاد اصلاح الرسوم ص ۳۳)

ولیمہ کا بیان

ولیمہ کے معنی اور ولیمہ کا وقت کب ہے

الولیمہ کے معنی شادی کی خوشی کا کھانا اور ولیمہ عقدنکاح کے بعد رخصتی سے قبل اور رخصتی کے بعد بیوی کے ساتھ شب باشی سے قبل اور شب باشی کے بعد تینوں وقتوں میں سے کسی بھی وقت میں جائز ہے؛ البتہ شب باشی کے بعد زیادہ بہتر ہے۔ اور عقدنکاح سے قبل ولیمہ کا ثبوت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ج ۱۲ /ص ۵۶۹)

ولیمہ کا کھانا کتنے لوگوں کو کھلائیں

ولیمہ مسنون ہے، اس میں کتنے لوگوں کو کھانا کھلایا جائے اس کی کوئی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی؛ بلکہ ہر شخص اپنی مرضی سے اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق لوگوں کو کھانا کھلا دے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ولیمہ کرو، اگرچہ ایک ہی بکری سے کیوں نہ ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کا حکم حسب گنجائش ہے۔

عن أنس - رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی علی عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة, قال: ماهذا؟ قال: إنی تزوجت امرأة علی وزن نواة من ذهب قال: بارک اللہ لک أولم ولو بشاة.

(صحیح البخاری, کتاب النکاح, باب کیف یدعی للمتزوج النسخة الهندیة ۲/۷۷۴)

ولیمہ کی دعوت میں لڑکے والوں کا ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے

(۱) ولیمہ کی دعوت کھانا اور کھلانا سنت ہے، لیکن ولیمہ کا کھانا کھانے کے بعد لڑکی والوں سے ایک خاص مقدار میں ناحق رقم لینے یا دینے پر مجبور کرنا اور اس طرح لین دین کی رسم بنالینا شرعاً انتہائی قبیح اور ناجائز ہے۔

(۲) حدیث میں ہدیہ لینے دینے کی بڑی ترغیب آئی ہے اور اس کو محبت کا ذریعہ بتلایا گیا ہے، لیکن اس رسم ورواج سے مجبور ہو کر دینا اور اس امید پر دینا کہ ہمارے یہاں بھی کوئی تقریب ہوگی تو وہ بھی ہمیں اتنا ہی دے گا، یہ ہدیہ نہیں ہے؛ بلکہ ظلم وزیادتی ہے اور نہایت ہی گھٹیا اور بے اصل بات ہے، اس طرح کی رسم کا ترک کرنا مسلمانوں پر لازم و ضروری ہے۔ (مستفاد فتاویٰ قاسمیہ ج ۱۲ /ص ۵۸۶)

جہیز کا بیان

جہیز کی حقیقت اور اس کا حکم

بری اور جہیز یہ دونوں درحقیقت زوج (لڑکے والوں) کی طرف سے زوجہ یا اہل زوجہ (لڑکی والوں) کو ہدیہ ہے۔ اور جہیز جو درحقیقت اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے فی نفسہٖ امر مباح بلکہ مستحسن ہے، اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کو خوب جہیز دینا برا نہیں، مگر طریقہ سے ہونا چاہئے جو لڑکی کے کچھ کام بھی آئے۔ (مستفاد: اسلامی شادی: ص ۲۱۸)

جہیز دینے میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

جہیز میں ان امور کا لحاظ رکھنا چاہئے:

(۱) اول اختصار یعنی گنجائش سے زیادہ کوشش نہ کرے۔

(۲) دوم ضرورت کا لحاظ کرے یعنی جن چیزوں کی سرِ دست ضرورت واقع ہو وہ دینا چاہئے۔

(۳) اعلان نہ ہو کیونکہ یہ تو اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے، (مستفاد: اسلامی شادی ص ۲۱۸)

مروجہ جہیز کے مفاسد اور خرابیاں

مگر اب جس طور سے اس کا رواج ہے اس میں طرح طرح کی خرابیاں ہوگئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ اب ہدیہ مقصود رہا نہ صلہ رحمی بلکہ ناموری اور شہرت اور رسم کی پابندی کی نیت سے کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بری اور جہیز دونوں کا اعلان ہوتا ہے معین اشیاء ہوتی ہیں، خاص طرح کے برتن بھی ضروری سمجھے جاتے ہیں، جہیز کے اسباب بھی معین ہیں کہ فلاں فلاں چیز ضروری ہو، اور تمام برادری اور گھر والے اس کو دیکھیں گے جہیز کی تمام چیزیں عام مجمع میں لائی جاتی ہیں اور ایک ایک چیز سب کو دکھلائی جاتی ہے اور زیور اور جہیز کی فہرست سب کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے (آپ خود) بتائیں کہ یہ پوری ریا (دکھلاوا) ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ زنانہ کپڑوں کا مردوں کو دکھلانا کس قدر غیرت کے خلاف ہے۔ اگر صلہ رحمی مقصود ہوتی تو کیف ما اتفق جو میسر آتا اور جب میسر آتا بطور سلوک کے دے دیتے۔

اسی طرح ہدیہ اور صلہ رحمی کے لیے کوئی شخص قرض کا بار نہیں اٹھاتا، لیکن ان دونوں رسموں کو پورا کرنے کے لیے اکثر اوقات مقروض بھی ہوتے ہیں چاہے سود ہی لینا پڑے، اور چاہے باغ ہی فروخت یا گروی ہوجائے پس اس میں التزام مالا

یلزم، نمائش، شہرت اور اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں اس لئے یہ بھی بطریق متعارف (مروجہ طریقہ سے) ممنوعات کی فہرست میں داخل ہوگیا۔ (مستفاد: اسلامی شادی ص ۲۱۹)

سامان جہیز

(آج کل جہیز میں) بعض چیزیں ایسی دی جاتی ہیں جو کبھی کام نہیں آتیں سوائے اس کے کہ گھر کی جگہ گھیر لیں، مثلاً (بڑے بڑے صندوق پلاسٹک اور کانچ کے سامان وغیرہ) کہ یہ اس تکلف کی ہوتی ہیں کہ ان کو کام میں لاتے ہوئے ترس آتا ہے۔ اور حقیقت میں وہ کام کے قابل ہوتے بھی نہیں، کیونکہ تکلف کی چیز نازک ضرور ہوا کرتی ہے اس کی نزاکت اور خوبصورتی کی وجہ سے ایک طرف احتیاط سے رکھ دیا جاتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ رکھے رکھے گل سڑ جاتے ہیں اور بھی کام نہیں آتے۔ اگر بیٹی کو لختِ جگر سمجھ کر دینا ہے تو کیا ایسی ہی چیز دینی چاہئے تھی جو اس کے کام کبھی نہ آئے، اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں بیٹی کو دی ہی نہیں جاتیں، صرف تفاخر اور دکھلاوے کے لیے دی جاتی ہیں اس میں جتنا جس کا حوصلہ ہوتا ہے بڑھ کر قدم رکھتا چلا جاتا ہے، ایک نے دس برتن اور پچاس جوڑے دیئے تو دوسرا نو برتن اور انچاس جوڑے نہیں دے گا ایک بڑھا کر ہی دے گا اگر چہ قرض دار ہی ہوجائے سود پر قرض لینا گوارہ کرتا ہے۔ برادری کے دباؤ سے غریب آدمی بھی عاقبت برباد کرتا ہے، اور غریب ہی کی کیا تخصیص ہے غریب کے اخراجات غریب جیسے ہوتے ہیں اور امیر کے اخراجات امیر کے سے ہوتے ہیں امیر لوگ بھی ان رسموں کی بدولت قرض سے نہیں ہے بچتے ہیں۔ (مستفاد: اسلامی شادی ص ۲۲۰)

مروجہ جہیز کی بنیاد محض تفاخر اور نام نمود پر ہے

غور کر کے دیکھا جائے تو رسموں کی بناء اور اصل بھی تفاخر ہے حتی کہ بیٹی کو جو چیز جہیز میں دی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہی ہے بیٹی لخت جگر کہلاتی ہے ساری عمر تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ رہا کہ چھپا چھپا کر اس کو کھلاتے تھے کہ اچھا ہے کوئی لقمہ ہماری بیٹی کے پیٹ میں پڑ جائے گا تو کام آئے گا، دوسرے کو دکھانا بھی پسند نہ تھا کہ شاید نظر لگ جائے، اور نکاح کا نام آتے ہی ایسا کایا پلٹا کہ ایک ایک چیز مجمع کو دکھائی جاتی ہے، برتن جوڑے اور صندوق حتی کہ آئینہ کنگھی تک شمار کر کے دکھلائے جاتے ہیں، شاید وہ پہلے لختِ جگر تھی اور اب نہیں رہی یا اب ہے اور پہلے نہ تھی، جواب کے اور پہلے کے برتاؤ میں بالکل الٹا فرق ہوگیا۔ اگر آپ غور کریں گے تو اس کی وجہ صرف تفاخر پائیں گے، برادری کو دکھلانا ہے کہ ہم نے اتنا دیا، یہ منظور نہیں کہ ہماری بیٹی کے پاس سامان زیادہ ہوجائے۔ (مستفاد: اسلامی شادی: ص ۲۲۰)

دل کا چور

اور اسی واسطے جوڑے اور برتن غرض تمام جہیز ایسا تجویز کیا جاتا ہے کہ ظاہری بناوٹ میں بہت اجلا ہوا اور قیمت کے اعتبار سے یہی کوشش کی جاتی ہے کہ سب چیزیں ہلکی رہیں، جب بازار میں خریدنے جاتے ہیں تو دکاندار سے کہا جاتا ہے کہ شادی کا سامان خریدنا ہے لینے دینے کا سامان دکھاؤ۔

اگر اصل بیٹی کے ساتھ ہمدردی تھی تو اگرچہ جہیز تعداد میں کم ہوتا مگر سب چیزیں اچھی اور کارآمد ہوتیں بجائے اس کے کہ وہ چیزیں دی جاتی ہیں جو برتنے (اور استعمال میں لانے) کے قابل نہیں ہوتیں صرف ظاہری شمار بڑھا کر دی جاتی ہیں۔(مستفاد اسلامی شادی:ص ۲۲۱)

ریا اور تفاخر کی مختلف صورتیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جہیز کو دکھاتے تک نہیں، دیکھو ہم نے رسمیں چھوڑ دیں سو جناب اس میں کیا کمال، اپنی بستی میں تو برسوں پہلے سے سامان جمع کر کے ایک ایک کو دکھلا چکی ہو، جو مہمان آتی ہے اس کو بھی اور جو رشتہ دار آتی ہے اس کو بھی ایک ایک چیز دکھلائی جاتی ہے اور خود سامان آنے میں جو شہرت ہوتی ہے وہ الگ، آج دہلی سے کپڑا آرہا ہے اور مراد آباد گئے تھے وہاں سے برتن لائے ہیں، اور اسکے بعد وہ دولہا کے گھر جا کر کھلتا ہے اور عام طور پر دکھایا جاتا ہے اور اسی واسطے لڑکی کے ہمراہ بھیجا جاتا ہے، تو یہ قصداً، اعلان نہیں تو اور کیا ہے۔(مستفاد: اسلامی شادی:ص ۲۲۲)

بجائے جہیز کے زمین، جائداد، باغ یا تجارت کے لیے نقدی رقم دینا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں میں نے ایک تعلق دار کی حکایت سنی ہے، جو بہت بڑے مالدار ہیں کہ انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں صرف ایک پالکی دی اور ایک قالین اور ایک قرآن مجید، اس کے سوا کچھ نہ دیا، نہ برتن، نہ کپڑے، بلکہ اس کے بجائے ایک لاکھ روپیہ کی جائداد بیٹی کے نام کر دی، اور کہا کہ میری نیت اس شادی میں ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی تھی اور یہ رقم اس واسطے پہلے تجویز کر لی تھی، خیال تھا کہ خوب دھوم دھام سے شادی کروں گا، مگر پھر میں نے سوچا کہ اس دھوم دھام سے میری بیٹی کو کیا نفع ہوگا، بس لوگ کھا پی کر چل دیں گے میرا روپیہ برباد ہوگا اور میری بیٹی کو کچھ نہ حاصل ہوگا، اس لیے میں نے ایسی صورت اختیار کی جس سے بیٹی کو نفع پہنچے، اور جائداد سے بہتر اس کے لیے کوئی نفع کی چیز نہیں اس سے وہ اور اس کے اولاد پشت ہا پشت تک بے فکری سے عیش کرتے رہیں گے، اور اب کوئی مجھے بخیل اور کنجوس بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں نے دھوم دھام نہیں کی تو رقم اپنے گھر میں بھی

نہیں رکھی دیکھو یہ ہوتا ہے عقلاء کا طرز۔

اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کو جہیز میں بہت دینا برا نہیں مگر طریقہ سے ہونا چاہئے جو لڑکی کے کچھ کام بھی آئے، مگر عورتوں کو کچھ نہیں سوجھتا یہ تو ایسی بے ہودہ ترکیبوں سے

برباد کرتی ہیں جس سے نہ ان کو کچھ وصول ہوتا ہے نہ لڑکی کو۔ (مستفاد: اسلامی شادی: ص ۲۲۲)

جہیز دینے کا صحیح طریقہ جہیز کب دینا چاہئے

لڑکی کو جو کچھ دینا ہو اس کو رخصتی کے وقت نہ دینا چاہیے کیونکہ وہ اس کو دینا نہیں ہے بلکہ وہ تو ساس سسرے کو دینا ہے۔ (جہیز کا سامان) اگر لڑکی کے ہمراہ نہ کیا جاتا تو عقل کے موافق تھا کیونکہ یہ سب سامان لڑکی ہی کو دیا جاتا ہے اور اس وقت وہ قبضہ نہیں کرتی اور نہ اس کو خبر ہوتی ہے، اس کو دینا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سرِ دست اپنے گھر رکھو، جب وہ خوب گھل مل جائے اور پھر جب وہ اپنے گھر آئے اس وقت وہ تمام سامان اس کے سامنے رکھ دو، اور کہو کہ یہ سب چیزیں تمہاری ہیں ان میں سے جتنی ضروری ہوں اور جتنا تیرا دل چاہے اور جب جی چاہے اپنی سسرال لے جانا اور جتنی چیزیں یہاں رکھنا چاہو یہاں رکھ لو پھر جو چیزیں وہ تمہارے سپرد کرے ان کو احتیاط سے اپنے یہاں رکھ لینا

اور مصلحت یہی ہے کہ وہ ابھی (سامان جہیز) نہ لے جائے کیونکہ اس وقت تو اس کو کوئی ضرورت نہیں، کسی وقت جب ضرورت ہوگی لے جائیں گے، (یہ طریقہ) عقل کے موافق ہونے کے ساتھ اس میں ریاء بھی نہیں مگر چونکہ اس میں کوئی تفاخر اور دکھاوا نہیں ہے، اس لیے ایسا کوئی بھی نہیں کرتا، اور اگر کوئی ایسا کرے تو لوگ اسے برا بھلا کہیں اور کنجوس بھی بنا دیں، اور کہیں گے کہ خرچ سے بچنے کے لیے شریعت کی آڑ پکڑی ہے (لیکن شریعت اور عقل کے موافق صحیح طریقہ یہی ہے جو اوپر بیان ہوا)۔ (مستفاد: اسلامی شادی: ص ۲۲۴)

جہیز میں بہت زائد کپڑے دینا اور رشتہ دار عورتوں کے جوڑے بنوانا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں جہیز میں اس قدر کپڑے دیئے جاتے ہیں کہ ایک بار میں ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں گیا تھا معلوم ہوا کہ وہاں ایک بہو صرف ایک کپڑا پندرہ سو روپیہ کا لائی ہے (جو آج کل پچاس ہزار سے بھی زائد ہوں گے) برتن اور زیور اس سے الگ تھے۔ میں نے بعض گھروں میں دیکھا ہے کہ جہیز میں اتنے کپڑے دیئے گئے تھے کہ لڑکی ساری عمر بھی پہنے تو ختم نہ ہوں اب وہ کیا کرتی ہے، اگر سخی ہوئی تو بانٹنا شروع کر دیا، ایک جوڑا کسی کو دیا ایک کسی کو، اور اگر بخیل ہوئی تو صندوق میں بند کر کے رکھ لئے، پھر بہت سے جوڑوں کو تو پہننا بھی نصیب نہیں ہوتا وہ یوں ہی رکھے رکھے گل جاتے ہیں اس طرح فضول خرچی کے ساتھ عورتیں مال برباد کرتی

ہیں۔

بھلا جہیز میں اتنے کپڑے دینے کی کیا ضرورت ہے، مگر کیوں نہ دیں اس میں بھی نام ہوتا ہے کہ فلانی نے اپنی بیٹی کو ایسا جہیز دیا اور اتنا اتنا دیا، بس شیخی کے واسطے گھر برباد کیا جاتا ہے۔

اکثر ایسا ہوا ہے کہ دلہن مرگئی اور یہ سب سامان ہزاروں روپیہ کا ضائع ہوا۔

پھر دلہن کے کپڑوں کے علاوہ تمام کنبہ (خاندان والوں) کے جوڑے بنائے جاتے ہیں اور بعض دفعہ ان کو پسند بھی نہیں آتے، اور ان میں عیب نکالے جاتے ہیں کس قدر بے لطفی ہوتی ہے، (ان سب چیزوں سے احتراز ضروری ہے)

(مستفاد: اسلامی شادی: ص ۲۲۳)

جہیز دینے کا ثبوت ہے یا نہیں

لڑکی کی شادی کے موقع پر گھر والوں کا اپنی لڑکی کو بطور جہیز کچھ سامان اپنی وسعت کے بقدر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ البتہ لڑکے یا گھر والوں کی جانب سے جہیز کا مطالبہ انسانی اخلاق اور شریعت دونوں اعتبار سے مذموم اور ناجائز ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جہیز کی وجہ سے شادی کرتا ہے، اللہ اس کو فقیر بنا دیتا ہے۔

عن جابر بن عبد الله – رضی الله عنه – قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جئنا امرأة من الأنصار في الأسواف – إلى – فوالله لا تنكحان أبدا إلا ولهما مال . (سنن أبي داؤد، الفرائض، باب ماجاء في الصلب، النسخة الهندية ج۲ ص ۴۴۰) (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ج ۱۲/ص ۲۰۱)

کیا حسب استطاعت جہیز دینا جائز ہے؟

اپنی لڑکی کو اپنی مرضی اور خوشی سے رخصتی میں حسب استطاعت سامان جہیز دینا بلاشبہ جائز ہے، بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی اپنی لڑکی کو جہیز میں حسبِ استطاعت سامان دیا جاتا تھا، حضرت سعد بن الربیع کی شہادت پر ان کے بھائی نے تمام مال پر قبضہ کرلیا تھا، ان کی اہلیہ نے ان کی دو لڑکیوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمایا کہ یارسول اللہ! سارا مال سعد کے بھائی نے لے لیا اور سعد کی یہ دو لڑکیاں ہیں، بغیر مال کے ان کی شادی نہیں ہوسکتی۔

عن جابر بن عبد الله – رضی الله عنه – قال: جائت امرأة سعد بن الربيع بابنتيها من سعد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يارسول الله! هاتان ابنتا سعد بن الربيع ......ولا تنكحان إلا ولهما مال.

الحديث (سنن الترمذی، الفرائض، باب ماجاء فی میراث البنات، النسخة الهندية ج ۲ ص ۳۰)

اس سے اتنا ثابت ہوا کہ لڑکی والوں کا اپنی خوشی سے دینا مشروع ہے، مگر جہیز کے دینے میں حسب ذیل امور کی رعایت نہایت ضروری ہے:

(۱) جہیز کے سامان کی نمائش نہ کی جائے۔

(۲) جہیز نہ دینے سے دولہا اور اس کے خاندان کی طرف سے قولاً یا عملاً دباؤ نہ ہو؛ بلکہ جہیز کا سامان لڑکی والوں سے مانگنا اور ان پر دباؤ ڈالنا زبردست ظلم اور کمینگی اور ناجائز ہے، علماء انہیں کمینہ حرکتوں پر نکیر کرتے ہیں اور جہاں تک ہو سکے چھپا کر دیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ج ۱۲ /ص ۵۹۹)

جہیز کی مقدار کیا ہے

جہیز کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے؛ بلکہ ماں باپ اپنی حیثیت اور گنجائش کے اعتبار سے بخوشی اپنی بیٹی کو جو چاہیں دے سکتے ہیں، بشرطیکہ اس میں شہرت اور دکھلاوا نہ ہو، نیز اس میں لڑکے والوں کی طرف سے کسی قسم کا مطالبہ اور خواہش کا اقدام نہ ہو۔ اور جہیز دینے کے بعد بھی لڑکی والدین کی ملکیت میں شرعی وراثت کی حقدار ہوتی ہے، جہیز دینے کے بعد یہ سمجھ لینا کہ اب وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہا، یہ جہالت اور لڑکی کو اس کے شرعی حق سے محروم کرنا ہے جو قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: انوارِ نبوت: ص ۶۹۹ تا ۷۰۰)

جہیز کا مطالبہ کرنا

جہیز کا مطالبہ کرنا قطعاً ناجائز ہے، ہاں البتہ لڑکی کے باپ کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کو حسب حیثیت جو چاہے دے لڑکے والوں کو مطالبہ کا کوئی حق نہیں اور مطالبہ کرنا نہایت گھٹیا اور کمینہ پن اور حرام ہے، جہیز کا سامان جس طریقہ سے بھی آتا ہے وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہوتا ہے، اور نہ لڑکے کے باپ کا کوئی حق اور نہ لڑکے کا کوئی حق اس میں متعلق ہے۔ اور لڑکی کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے سامان پر کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ: ج ۱۲ /ص ۶۰۵)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة . (شامی، كتاب الطلاق زكريا ۵/ ۲۹۹)

لڑکی والوں سے سامان یا نقد روپیوں کا مطالبہ کرنا

لڑکی والوں سے سامان کا مطالبہ کرنا یا نقد روپیہ وغیرہ کی فرمائش کرنا اور ان پر دباؤ ڈالنا ہرگز جائز نہیں ہے، یہ اسلامی شادی اور تعلیم رسول کی سخت مخالفت ہے، اسلام نے لڑکے والوں پر تو مہر مالی ذمہ داری لازم کر دی ہے، لیکن لڑکی والوں پر کسی بھی طرح کی کوئی مالی ذمہ داری عائد نہیں کی ہے؛ اس لئے لڑکی والوں سے مانگ کر یا دباؤ ڈال کر لینا ہرگز جائز نہیں

ہے۔

لایجوز أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی. الخ (قواعدالفقه، اشرفی دیوبند، ص ۱۱۰)

اور بلا مطالبہ اور بلا دباؤ کے بخوشی کوئی چیز لڑکی والے دے دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ: ج ۱۲ /ص ۶۰۹)

شادی کے موقع پر ہونے والی رسومات اور منکرات کا بیان

شادی کو سادی بنایئے!

اسلام میں نکاح ایک بامقصد اور پروقار عمل ہے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو، پیغمبروں کی سنت قرار دیا ہے۔

(ترمذی شریف: ج ۱/ص ۲۰۶ حدیث: ۱۰۸۰)

اس لئے ہونا تو یہ چاہئے کہ نکاح کی تقریبات میں شرعی حدود کا مکمل خیال رکھا جائے، اور کوئی ایسا عمل اس میں شامل نہ کیا جائے جو شرعاً ممنوع ہو، لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آج کل نکاح کی تقریبات میں کھل کر شرعی احکام کی پامالی کی جاتی ہے، اور خوشی کی مدہوشی میں ہم اپنے خالق و مالک اللہ رب العزت اور اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو قطعاً نظر انداز کر جاتے ہیں۔

خصوصاً جس شخص کے پاس ذرا مالی وسعت ہوتی ہے وہ تو اپنے یہاں شادی کی تقریب اس انداز میں منانے کی کوشش کرتا ہے جو پورے علاقہ کے لئے بے مثال اور بے نظیر بن جائے، لاکھوں لاکھ روپئے شادی ہال کے کرایوں، لائٹنگ اور ڈیکوریشن پر خرچ کر دئے جاتے ہیں، کھانے پینے کی اشیاء کے تنوع میں ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر کرتا ہے، پھر ایک ایک مرد و عورت مہمان کی (movie) مووی اور ویڈیو بنائی جاتی ہے۔

مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، اور کہیں کہیں اسکرین (screen) لگا کر مردوں کا مجمع عورتوں میں اور عورتوں کا مجمع مردوں میں دکھایا جاتا ہے، اور حیا باختہ نوجوان ان باتوں سے لذت اندوز ہوتے دکھائی دیتے ہیں، ان باتوں کی وجہ سے شادی کی تقریب منکرات وفواحش کی آماج گاہ بن کر رہ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ جہیز کا دکھاوا، ٹونے ٹوٹکے والی رسومات کی پابندیاں اور برادری اور معاشرے کے دباؤ میں جاہلانہ اور فرسودہ باتوں پر اعتماد یہ ایسی دل خراش چیزیں ہیں، جن کی بنا پر ہمارے معاشرہ میں ''شادی اب شادی کے بجائے بربادی' بنتی جارہی ہے، اور ان خود ساختہ پابندیوں کی بنا پر خصوصاً متوسط اور غریب طبقہ کے لئے شادی کرنا ایک بڑا بوجھ بنتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے کتنی ہی لڑکیاں شادیوں سے محروم بیٹھی ہیں اور ماں باپ کی راتوں کی نیند اور دن کا چین ختم کرنے کا سبب بن چکی ہیں۔

اللہ رسول بھی راضی ہیں یا نہیں؟

آج شادی کے موقع پر ہماری خواہش ہوتی ہے کہ خاندان، پاس پڑوس، دوست واحباب حتیٰ کہ گھر کے نوکر چاکر سب کے سب خوش ہوجائیں کوئی ناراض نہ رہے۔ اسی لئے اگر کسی رشتہ دار سے ناچاقی ہوتی ہے تو تقریب سے پہلے اس کی خوشامد درآمد کر کے اسے تقریب میں شرکت پر آمادہ کیا جاتا ہے، ملازموں کی منہ مانگی مرادیں پوری کی جاتی ہیں؛ کیوں کہ شادی کی خوشی میں سب کو شامل کرنا مقصود ہوتا ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی تقریبات میں جس طرح رشتہ داروں اور دوستوں کی خوشنودی کا خیال رکھتے ہیں، کیا اسی طرح اللہ اور اس کے مقدس پیغمبر کی خوشنودی کے حصول کا جذبہ بھی ہمارے اندر پایا جاتا ہے؟ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری منکرات بھری تقریبات دیکھ لیں تو آپ کو خوشی ہوگی یا ناگواری؟ ظاہر ہے کہ اسراف اور فضول خرچی اور منکرات دیکھ کر ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہرگز خوشی نہیں ہوسکتی؛ بلکہ یقیناً ناگواری ہوگی؟ اس لئے کہ قرآن کریم میں اسراف وتبذیر کی صراحتاً ممانعت وارد ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا، إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ، وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُورًا . (بنی اسرائیل:۲۷)

اور (اپنے مال کو فضول اور بے موقع) مت اڑاؤ، یقیناً بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

اسی بنا پر پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَؤُنَةً (مشکوۃ شریف:۲/۲۶۸)

یعنی سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم مشقت ہو۔

تو جب شریعت کا حکم اسراف وتبذیر سے بچنے کا اور نکاح کو آسان بنانے کا ہے، تو ہماری نکاح کی تقریبات جن میں کھل کر فضول خرچیاں ہوتی ہیں اور احکام شریعت کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، اُن سے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی خوشی کیسے نصیب ہوسکتی ہے؟

اور جس تقریب سے اللہ اور رسول راضی نہ ہوں، تو اگر اس سے پوری دنیا بھی خوش ہوجائے، مگر اس تقریب میں برکت نہیں آسکتی، اس کے برخلاف جس تقریب سے اللہ اور اس کے پیغمبر خوش ہوں تو وہی بابرکت ہوگی اگرچہ پوری دنیا ناراض ہوجائے، ہر صاحب ایمان کو یہ حقیقت ضرور پیش نظر رکھنی چاہئے اور اپنی سبھی تقریبات کو شریعت کے دائرہ میں رہ کر انجام دینے کا عزم کرنا چاہئے۔ خاص طور پر اگر برادری کے بااثر حضرات اور ائمہ مساجد اس بارے میں مسلسل سنجیدہ

کوشش کریں، تو انشاءاللہ اصلاح کی اُمید زیادہ ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ج ۴ /ص ۳۰۶ تا ۳۰۸)

منگنی کی باقاعدہ تقریب

شادی سے پہلے باقاعدہ منگنی کی تقریب کی کوئی اصل نہیں ہے، اس طرح کی مسرفانہ رسومات قابل ترک ہیں؛ البتہ فریقین کے چند ذمہ دار لوگ جمع ہو کر مشورہ کر کے تاریخ وغیرہ طے کریں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ج ۴ /ص ۳۰۹)

نوٹ:

ہمارے علاقے میں منگنی کی تقریب میں بہت زیادہ پیسوں کا لین دین کیا جاتا ہے اور خصوصاً لڑکی والے پر لڑکے والے اپنے تمام رشتہ داروں کو پیسے دلوانے کا زور، دباؤ، ڈالتے ہیں اور اگر لڑکی والے کی طرف سے کچھ کمی رہ جائے تو ناراضگی ظاہر کرتے ہیں اور رشتہ چھڑانے کی دھمکی دیتے ہیں اس طرح کا لین دین رشوت میں آتا ہے اور اس میں لڑکی والے پر ظلم بھی ہے اسلئے یہ قطعاً جائز نہیں ہے اسکا ترک ضروری ہے (مرتب)

قال اللہ تعالی: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا. إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيٰطِينِ (بنی إسرائیل: ۲۷-۲۶)

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ألا لا تظلموا ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه. (مشکاة المصابیح/باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی ۲۵۵)

مہندی کی رسم

شادی کے موقع پر لڑکی کو زینت کے لئے مہندی وغیرہ لگانے کی اجازت ہے، لیکن اس کے لئے باقاعدہ تقریب کا اہتمام ثابت نہیں، یہ بے جا تکلف اور اسراف ہے، اور مرد کے لئے ہاتھ پیروں میں برائے زینت مہندی لگانا درست نہیں؛ کیوں کہ اسمیں عورتوں سے مشابہت لازم آتی ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ج ۲ /ص ۳۰۹)

عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس/باب فی لبس الشهرة: ۲/۵۵۹)

سندور لگانا

شادی کے وقت دولہن کے بالوں میں سندور لگانے کی رسم ایک ہندوانہ رسم ہے، جس کا استعمال مسلمانوں کے لئے جائز نہیں، اس سے احتراز ضرور کرنا چاہئے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ج ۴ ص ۳۱۰)

عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم .(سنن أبی داؤد، کتاب اللباس/باب فی لبس الشهرة: ج ۲ ص ۵۵۹)

اُبٹن کی رسم

ابٹن کی مروجہ رسم جس میں اجنبی لڑکے لڑکیاں اکٹھے ہوتے ہیں اور بے حیائی کی باتیں اور اعمال ہوتے ہیں شرعاً جائز نہیں ہے، اگر بدن کی محض صفائی مقصود ہے، تو تنہائی میں اُبٹن لگالیں، اس کے لئے باقاعدہ تقریب کرنا محض رسم اور اسراف ہے۔(مستفاد: کتاب المسائل: ج ۴/ص ۳۱۰)

عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم .

(سنن أبی داؤد، کتاب اللباس/باب فی لبس الشهرة ج ۲ ص ۵۵۹)

سہرا باندھنا

شادی میں دولہا کو سہرا (پھولوں یا موتیوں کی لڑیاں) جو دولہا کے سر سے چہرے تک لٹکائی جاتی ہیں (فیروز اللغات) باندھنا ایک ہندوانہ بے اصل رسم ہے، اس کا ترک کرنا لازم ہے۔ البتہ نکاح کے وقت باوقار انداز میں عمامہ باندھنا بہتر ہے۔(مستفاد: کتاب المسائل ج ۴/ص ۳۱۲)

عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس/باب فی لیس الشهرة: ۲/۵۵۹)

شادی کی کار کو پھولوں سے سجانا

شادی میں نوشہ کی کار کا سجانا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس سجاوٹ سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ متحقق نہیں ہوتا، یہ صرف وقتی زینت ہے اور مال کا بے جا استعمال ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔(مستفاد: کتاب المسائل ج ۴ ص ۳۱۲)

قال اللہ تعالی: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (بنی إسرائیل، جزء آیت: ۲۶)

دلہن کا کمرہ سجانا

فضول خرچی اور اسراف سے بچتے ہوئے دلہن کا کمرہ مزین کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن اس پر ہزاروں روپیہ خرچ کردینا جیسا کہ آج کل معمول بن گیا ہے، یہ شرعاً پسندیدہ نہیں ہے۔(مستفاد: کتاب المسائل: ج ۴/ص ۳۱۲)

قال اللہ تعالی: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيٰطِينِ (بنی إسرائیل: ۲۷-۲۶)

جہیز کی نمائش کرنا

مجمع عام میں جہیز کے سامان کی نمائش کرنا یا ایک ایک چیز کا نام کے ساتھ اعلان کرنا اور اُس کی فہرست پیش کرنا جیسا کہ بعض جگہوں پر رواج ہے یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، ان سے ہر مسلمان کو احتراز کرنا چاہیئے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ ج۱۱ص ۱۹۵ ڈابھیل)

المستفاد: قال علیہ السلام: من سمع سمع اللہ بہ و من یرانی یرای اللہ لہ۔ (صحیح البخاری ۲/۹۶۲)

تلک کی رسم

رشتہ یا شادی کے وقت لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی والوں سے نقد رقم کا مطالبہ کرکے لینا ''تلک'' کہلاتا ہے، یہ رسم قطعاً حرام اور ممنوع ہے۔ اسلام میں اس کی ہرگز اجازت نہیں، ایسی رقم اگر لے لی جائے تو اس کو لڑکی والوں کو واپس کرنا لازم ہے۔(مستفاد: کتاب المسائل ج ۳/ص ۳۱۵)

نوٹ:

اسی طرح ہمارے علاقہ میں لڑکی کے رخصت ہونے کے وقت لڑکی والے لڑکے کے تمام رشتے داروں کو پیسے دیتے ہیں جسکو، مِلائی کی رسم کہا جاتا ہے چونکہ اسمیں لڑکی والے پر زور زبردستی پائی جاتی ہے، کبھی بھی لڑکی والے یہ رقم اپنی خوشی سے نہیں دیتے بلکہ یا تو زور دباؤ میں دیتے ہیں یا نام و نمود کی بنا پر دیتے ہیں اور چونکہ اس رسم کو ہمارے معاشرے میں لازم مان لیا گیا ہے اسمیں، التزام مالا یلزم، ہے اسلئے یہ رسم جائز نہیں ہے اس سے احتراز لازم ہے(مرتب)

عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ألا لا تظلموا ألا لا یحل مال امرءٍ إلا بطیب نفس منه. (مشکاۃ المصابیح/باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی ۲۵۵)

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی (الفتاوی الھندیة، کتاب الحدود / الباب السابع، فصل فی التعزیر ۲/۱۶۷ زکریاء)

شادی میں رشتہ داروں کے لئے لین دین کی رسم

شادی کی تقریب میں رشتہ داروں کا لازمی طور پر ہدایا اور تحائف وغیرہ کا لین دین جو اس اُمید کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ جب دینے والے کے یہاں تقریب ہوگی تو اُسے بھی اسی طرح یا اس سے بڑھ کر تحائف ملیں گے، یہ بلا وجہ زیر بار کرنے والی رسم

ہے اور ایک طرح کا خاندانی دباؤ ہے۔ چنانچہ اکثر یہ لین دین دل کی خوشی کے ساتھ نہیں ہوتا؛ بلکہ عزت بچانے کی

خاطر ہوتا ہے، اور بہت سے کم وسعت والے لوگ ان رسوم کی ادائیگی میں مجبوراً مقروض بھی ہو جاتے ہیں، اس لئے ایسی رسومات ناجائز اور قابل ترک ہیں۔ (کفایت المفتی ج ۹/ص ۷۰)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه، (مشكاة المصابيح/باب الغصب والعارية الفصل الثاني ۲۵۵)

شادی میں بھات

جب بھانجی کی شادی ہوتی ہے تو ماموں اور دیگر ننہیالی رشتہ داروں کی طرف سے بھات کی رسم ادا ہوتی ہے، جس میں جوڑے، کپڑے، استعمالی چیزیں، نقدی اور دیگر سامان ماموں اور ممانیوں کی طرف سے بھانجی کو دیا جاتا ہے، اور نہ دینے پر زندگی بھر شکوہ شکایت ہوتا ہے، یہ محض ہندوانہ رسم ہے؛ البتہ رسم منائے بغیر بھانجی کے ساتھ صلہ رحمی کرنا فی نفسہ ایک امر مستحسن اور مباح کام ہے، جس میں نام ونمود اور ریا نہ ہو، اور نہ دینے پر کسی قسم کا شکوہ شکایت بھی نہ ہونا چاہئے۔ (کتاب المسائل ج ۳/ص ۳۱۷)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم .(سنن أبي داؤد، كتاب اللباس/باب في لبس الشهرة: ۵۹۵/۲)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي (الفتاوى الهندية، كتاب الحدود/الباب السابع، فصل في التعزير ۱۶۷/۲ زكرياء)

دولہن کی منہ دکھائی

شادی کے بعد اگر عورتیں دولہن کا چہرہ دیکھیں اور اس کی حوصلہ افزائی کریں، تو اس کی تو گنجائش ہے، لیکن نامحرم مردوں کا بنی سنوری دولہن کو دیکھنے کے لئے آنا اور منہ دکھائی کی رسم انجام دینا قطعاً، ناجائز ہے، اور نہایت بے غیرتی کی بات ہے، اس پر نکیر کرنی لازم ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ج ۱۱/ص ۲۰۶ ڈابھیل)

سلامی کی رسم

نکاح کے بعد دولہا کا دولہن کے گھر جا کر نامحرم عورتوں کے درمیان سلامی کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، یہ نہایت بے غیرتی والی رسم ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ج ۴/ص ۳۱۸)

قال الله تعالى: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذلك أزكى لهم (النور: جزء آیت: ۳۰)

گود بھرائی کی رسم

سسرال جاتے وقت لڑکی کی گود بھرائی کی رسم قطعاً ناجائز ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں؛ بلکہ یہ ہندوانی ٹوٹکا ہے، جس پر اعتقاد رکھنا کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی: ۹/۶۶)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس/باب فی لبس الشهرة: ۲/۵۵۹)

جوتا چھپائی کی رسم

دولہا کے سسرال پہنچنے پر دولہن کی بہنوں وغیرہ کا اُس کی جوتا چھپائی کرنا اور جبراً دولہا سے پیسے وصول کرنا اور ہنسی مذاق کرنا ہرگز درست نہیں ہے، اس میں جہاں جبر واکراہ کی صورت پائی جاتی ہے، وہیں اجنبی مرد سے بے تکلفی اور بے پردگی کا گناہ بھی شامل ہوتا ہے، اس لئے یہ رسم بھی قابل ترک اور قابل مذمت ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ألا لا تظلموا ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (مشکاة المصابيح/باب الغصب والعارية الفصل الثانی ۲۵۵)

کھڑے ہوکر کھانا پینا

شادیوں میں کھڑے ہوکر کھانا پینا یہ غیر قوموں کا طریقہ اور قابل ترک ہے، نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے کھڑے ہوکر کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنه أن النبی علیه السلام نهى أن يشرب قائما، فقيل: الأكل، قال: ذلک أشد. (سنن الترمذی: ۲/۱۰)

وفی رواية: ذاک أشر وأخبث. (صحیح مسلم: ۲/۱۷۳)

(مستفاد: کتاب المسائل: ج ۴/ص ۳۲۱)

عورتیں اور رسوم کی پابندی

عورتوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہے یہ اپنی ذہن کی ایسی پکی ہوتی ہیں کہ دین تو کیا دنیا کی بھی بربادی کا ان کو خیال نہیں رہتا، رسموں کے سامنے اور اپنی ضد کے سامنے چاہے کچھ بھی نقصان ہو جائے کچھ پرواہ نہیں کرتیں، بعضی عورتیں ایسی دیکھی جاتی ہیں کہ ان کے پاس مال تھا کسی تقریب یا شادی میں لگا کر کوڑی کوڑی کی محتاج ہو گئیں اور ہر وقت مصیبت اٹھاتی ہیں مگر لطف (اور تعجب) یہ ہے کہ اب تک بھی ان رسموں کی برائی ان کو محسوس نہیں ہوتی یوں کہتی ہیں کہ ہم نے فلانے کے ساتھ بھلائی کی، اس کی شادی ایسی دھوم دھام سے کردی، ہماری یہ سب رقم خدا کے یہاں جمع ہے، جیسی جمع ہے آنکھ مچتے ہی معلوم ہو جائے گا، جب دنیا کی تکلیفیں جو کہ ان کے سامنے ہیں ان پر اثر نہیں کرتیں حالانکہ وہ بالکل محسوس ہیں تو آخرت کی تکلیفوں کو وہ کب خیال میں لاتی ہیں جو پر بھی مخفی ہیں۔

ایک مرض ان عورتوں میں ہے جو مفسدہ میں سب سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ عورتیں رسوم کی سخت پابند ہیں، خاوند کے مال کو بڑی بے دردی سے اڑاتی ہیں، خاص کر شادی بیاہ کی رسموں میں اور شیخنی کے کاموں میں، بعض جگہ صرف عورتیں خرچ کی مالک ہوتی ہیں، پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرد، رشوت لیتا ہے یا مقروض ہوتا ہے، تو زیادہ تر جو مرد حرام آمدنی میں مشغول ہیں اس کا بڑا سبب عورتوں کی فضول خرچی ہے، مثلاً کسی گھر میں شادی ہوئی تو یہ فرمائش ہوتی ہے کہ قیمتی جوڑا ہونا چاہئے، اب وہ سو دو سو روپے میں (اور آج کل پانچ ہزار، دس ہزار میں) تیار ہوتا ہے مرد نے سمجھا تھا کہ خیر سو دو سو ہی میں پاپ کٹا مگر بیوی نے کہا کہ یہ تو شاہانہ جوڑا ہے چوتھی کا الگ ہونا چاہئے وہ بھی اسی (ہزار) کے قریب لاگت میں تیار ہوا پھر فرمائش ہوتی ہے کہ جہیز میں دینے کو بیس، پچیس جوڑے اور ہونے چاہئے غرض کپڑے میں سینکڑوں (ہزاروں) روپئے لگ جاتے ہیں جب برادری میں خبر مشہور ہوتی ہے کہ فلاں گھر میں تقریب ہے تو ہر بی بی کو نئے قیمتی جوڑے کی فکر ہوتی ہے، کبھی خاوند سے فرمائش ہوتی ہے کبھی خود بزاز (کپڑا بیچنے والے) کو دروازہ پر بلا کر اس سے ادھار لیا جاتا ہے یا سودی قرض لے کر اس سے خریدا جاتا ہے، شوہر کو اگر وسعت نہیں ہوتی تب بھی اس کا عذر، قبول نہیں ہوتا، ظاہر ہے یہ جوڑ محض ریا، اور تفاخر کے لیے بنتا ہے اس غرض سے مال خرچ کرنا اسراف ہے، خاوند پر اس کی وسعت سے زیادہ بلاضر روت فرمائش کرنا اس کو ایذاء پہنچانا ہے، اگر خاوند کی نیت ان فرمائشوں سے بگڑ گئی اور حرام آمدنی پر اس کی نظر پہنچی کسی کا حق تلف کیا، رشوت لی اور فرمائشیں پوری کیں، اب سب گناہوں کا باعث یہ بی بی بنی، ان رسموں کے پورا کرنے میں اکثر مقروض بھی ہوتے ہیں چاہے باغ ہی فروخت یا گروی ہو جائے، اور چاہے سود دینا پڑے اس میں اِلتزِ امُ مَا لا یَلزَم اور نمائش، شہرت، اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں اس لیے یہ بھی ممنوعات میں داخل ہیں۔

جس شادی میں منکرات ہوں اسمیں قرض دینا کیسا ہے؟

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ (ایسی) شادی بیاہ میں قرض دینا جس سے رسومات ادا کئے جائیں، یا اسراف کیا جائے ممنوع ہے، کیونکہ چاہے اس مقرض (قرض دینے والے) کی نیت، اتلاف مال (مال کو برباد کرنے) کی نہ ہو مگر تلف کا وقوع تو ہوا، یعنی مال برباد تو ہوا جس کا سبب اس شخص کا فعل ہے (جس نے قرض دیا ہے) اور امر منکر کا مباشر بننا جس طرح گناہ ہے اسی طرح سبب بننا بھی گناہ ہے۔

دَلِیْلَهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰی: "وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِینَ یَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰہِ (الآیة)

(مستفاد اسلامی شادی ص ۳۱۷ تا ۳۱۹)

مسئلہ تعدد ازدواج

اسلام دین فطرت ہے، خلّاقِ دو جہاں، رب العالمین کو اچھی طرح معلوم ہے کہ انسان کی فطری ضروریات اور تقاضے کیا ہیں؟ اور ان کو پورا کرنے کے لئے کون سی تدبیریں مؤثر اور مفید ہو سکتی ہیں؟ اس کے برخلاف چوں کہ عام انسانوں کی عقلیں محدود علم کی حامل ہیں، اسی لئے انہیں بسا اوقات شریعت اسلامیہ کے بعض احکامات پر طرح طرح کے اشکالات پیش آتے ہیں، انہی احکامات میں ایک حکم مرد کے لئے بیک وقت متعدد نکاح کی اجازت کا بھی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ مغربی اقوام جو اوپر سے نیچے تک بدکاریوں اور شہوت رانیوں میں مبتلا ہیں، اور جن کی نظر میں مرد کا بیک وقت کئی عورتوں سے ناجائز تعلق قطعاً معیوب نہیں ہے، وہی قومیں اسلام کے تعدد ازدواج کے قانون پر سب سے زیادہ انگلیاں اٹھاتی ہیں، تو اس سے بڑی بے عقلی کیا ہوگی کہ ناجائز تعلقات کو تو بے تکلف گوارا کیا جائے اور جائز اور قانونی تعلق جو اپنے ساتھ پوری ذمہ داریوں کو بھی ثابت کرتا ہے اسے ناگوار سمجھا جائے۔ بات دراصل یہ ہے کہ مغربی قومیں، صنف نازک، کو محض اپنی جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھتی ہیں، انہیں عورت کی فلاح و بہبود سے کوئی دلچسپی نہیں، ان کا نظریہ صرف اور صرف یہ ہے کہ "یوز اینڈ تھرو، (Use and throw) استعمال کرو اور پھینک دو، جب کہ اسلام 'صنف نازک' کو مکمل تقدس عطا کرتا ہے کہ اگر کسی عورت سے جسمانی تعلق حلال ہو تو اس کی اور اس کی اولاد کی تمام ذمہ داریاں مرد کو اٹھانی ہوں گی، اس کی رہائش اور نان ونفقہ کا ذمہ دار بھی مرد ہوگا، یہ نہیں کہ ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے اسے ردی میں پھینک دیا جائے؛ بلکہ اس کا مکمل تحفظ کرنا ہوگا، اور اس کی سب ضروریات کا خیال رکھنا ہوگا۔ اس اسلامی نظریہ کو سامنے رکھ کر تعدد ازدواج کے حکم پر نظر ڈالنا ضروری ہے، اسلام نے، یہ دیکھتے ہوئے کہ بعض مردوں کی جنسی تسکین ایک عورت سے مکمل حاصل نہیں ہوتی، یا بعض ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ آدمی کے لئے کسی دوسری عورت کو قانونی بیوی بنائے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا، یا بعض مرتبہ خود عورتوں کی خیر خواہی اس میں مضمر ہوتی ہے کہ انہیں کسی مرد کا شریکِ حیات بنایا جائے، اگر چہ وہ مرد پہلے سے شادی شدہ ہو تعدد نکاح کی اجازت دی ہے۔

تعدد نکاح کی بعض حکمتیں

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مصالح مقتضی ہیں کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دی جائے، چند حکمتیں درج ذیل ہیں:

پہلی حکمت: مؤمن کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت تقویٰ اور پرہیزگاری کی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بعض مردوں کو قوی الشہوت بنایا ہے، ایسے لوگوں کے لئے ایک بیوی کافی نہیں، عورتوں کو بہت سے اعذار پیش آتے ہیں، وہ ہر

وقت اس قابل نہیں ہوتیں کہ شوہر ان سے ہم بستر ہوسکے، ان کو ماہواری آتی ہے اور حمل کے زمانہ میں جنین کی حفاظت کے لئے ان کو مردوں سے اختلاط کم کرنا پڑتا ہے، اس لئے اگر ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں دی جائے گی تو تقویٰ کا دامن مرد کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔

دوسری حکمت: نکاح کا سب سے اہم مقصد افزائش نسل ہے، اور مرد بیک وقت متعدد بیویوں سے اولاد حاصل کر سکتا ہے، پس تعدداز دواج سے مقصد نکاح کی تکمیل ہوتی ہے۔

تیسری حکمت: متعدد عورتیں کرنا مردوں کی عادت وخصلت ہے، اور کبھی مرد اس کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں، اور جائز مباہات (شان وشوکت) کی اجازت ہے، جیسے متعدد مکانات، سواریاں اور لباس رکھنا، پس تعدد ازدواج بھی ایک فطری تقاضہ کی تکمیل ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ ج ۵ ص ۹۸ تا ۹۹)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے درج ذیل وجوہ تعدد ازدواج شمار کرائی ہیں:

(۱) تقوی: یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ متعدد بیویوں والا شخص دیگر لوگوں کے مقابلہ میں تقویٰ اور غض بصر پر زیادہ قابو پا سکتا ہے۔

(۲) حفظ القویٰ: یعنی عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کی قوتیں دیر تک محفوظ رہتی ہیں، جب کہ عورتوں پر بڑھاپے کے آثار جلدی ظاہر ہوجاتے ہیں، اس اعتبار سے بعض حالات میں مرد کے لئے دوسری عورت سے نکاح ایسے ہی ضروری ہوتا ہے جیسے پہلا نکاح ضروری تھا۔

(۳) زوجین میں عدم توافق: بسا اوقات ایسی صورت پیش آتی ہے کہ مرد کا عورت سے دل نہیں ملتا، لیکن صاحب اولاد ہونے کی وجہ سے طلاق کا بھی موقع نہیں رہتا، ایسی صورت میں نکاح ثانی کے علاوہ چارہ کار نہیں ہے۔

(۴) بانجھ پن: اگر پہلی بیوی قوتِ تولید سے محروم ہوتو اسے طلاق دے کر الگ کرنے کے بجائے بہتر راستہ یہی ہے کہ نکاح ثانی کر کے دونوں کے حقوق ادا کئے جائیں، اور بفضل خداوندی اولاد کی نعمت بھی حاصل کی جائے۔

(۵) کثرت بنات: بعض خاندانوں میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی کثرت ہوتی ہے، ایسی شکل میں ان عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اسی وقت ممکن ہوسکے گی جب کہ تعدد ازدواج کی اجازت دی جائے، ورنہ بہت سی عورتیں بے نکاحی رہ کر گھٹ گھٹ کر زندگی گزار دیں گی۔

(۶) سیاسی مصالح اور ضروریات: بعض حالات میں بالخصوص حکام اور امراء کیلئے تعدد نکاح کی ضرورت ایک سیاسی مصلحت بن جاتی ہے، اس طرح کے واقعات تاریخ میں بھرے پڑے ہیں۔

(۷) کثرت زنا سے اجتناب: جب بھی نکاح کی اجازت ہوگی تو بدکاری کا دروازہ بند ہوگا اور جہاں نکاح ممنوع یا مشکل ہوگا وہاں بدکاری کے دروازے کھلیں گے، چناں چہ جن ممالک میں تعدد ازدواج ممنوع ہے وہاں بدکاریاں بالکل عام ہیں، وغیرہ۔ ان جیسی وجوہات کی بنا پر اسلام نے بجا طور پر یہ اجازت دی ہے کہ کوئی مرد ایک سے چار عورتوں تک بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبٰعَ. (النساء: ۳)

اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرسکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو دیگر عورتوں سے جو تمہیں پسند آئیں دو دو تین تین اور چار چار سے۔ لیکن یہ اجازت مطلق نہیں ہے؛ بلکہ عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، چناں چہ اسی آیت میں فوراً آگے فرمایا گیا:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ، ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ لَّا تَعُولُوا. (النساء: ۳)

پھر اگر ڈرو کہ ان بیویوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کر یا باندی جو تمہارا ذاتی مال ہے اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔

متعدد بیویوں میں برابری ضروری ہے

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اسلام نے مصالح کے تحت مرد کو چار تک نکاح کی اجازت تو ضرور دی ہے، لیکن ساتھ میں یہ حکم بھی دیا ہے کہ ظاہری طور پر سب بیویوں کے ساتھ برابر معاملہ کیا جائے، یعنی رات گزارنے میں، لباس میں اور کھانے پینے اور رہائش کے انتظام میں ہر بیوی کے ساتھ یکساں معاملہ ہو، کسی کے ساتھ کمی بیشی نہ ہو۔ (الدر المختار مع الشامی ج ۴ ص ۳۷۸) البتہ دلی رجحان میں برابری آدمی کی قدرت سے باہر ہے، اس لئے اگر طبعی طور پر کسی ایک بیوی کی طرف رجحان زیادہ ہو تو اس پر گرفت نہیں، مگر یہ رجحان ایسا یک طرفہ نہ ہونا چاہئے کہ دوسری بیوی کو بالکل ہی نظر انداز کر کے اُدھر میں لٹکا دیا جائے، قرآن کریم میں اس پر ممانعت وارد ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ. (النساء: ۱۲۹)

اور تم چاہ کر بھی عورتوں کو (دل سے) ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے، سو اس سے بالکل اعراض بھی نہ کرو کہ چھوڑے رکھو اسے ادھر میں لٹکی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دل کا معاملہ تو اللہ کی قدرت میں ہے، اس پر انسان کا بس نہیں چلتا، لیکن ظاہری احکام میں بیویوں میں مساوات لازم ہے۔ لہذا یہ طریقہ قطعاً غلط ہے کہ دوسرا نکاح کر کے پہلی بیوی سے ایسی لاتعلقی کر لی جائے کہ وہ درمیان میں معلق ہو جائے، یعنی نہ تو اسے شوہر کی محبت ملے اور نہ ہی آزاد ہو کہ کسی دوسرے

سے نکاح کر کے سکون حاصل کرے، یہ بات شریعت میں ہرگز درست نہیں ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۱۷۲)
ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر فرما رکھی تھی، اور آپ ہر طرح سے کامل عدل اور برابری کا معاملہ فرماتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کی زبان پر یہ دعا رہتی تھی:

اللهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِي مَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَ لَا أَمْلِكُ يَعْنِي الْقَلْبَ (سنن الترمذي ۱/۲۱۷)

اے اللہ یہ تقسیم ان معاملات میں ہے جو میری قدرت میں ہیں، پس جو چیز میری قدرت میں نہیں؛ بلکہ آپ کی قدرت میں ہے یعنی دل، اس کے متعلق مجھ سے مواخذہ مت فرمایئے۔

بیویوں کے درمیان برابری نہ کرنے والوں کا آخرت میں انجام

متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کوئی معمولی معاملہ نہیں کہ اسے آسانی سے نظرانداز کر دیا جائے؛ بلکہ اگر دنیا میں خوش دلی سے معافی تلافی نہ ہوئی تو ایسے شخص کو آخرت میں سخت ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ سرور عالم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے نکاح میں دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان برابری نہ کرے تو وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے بدن کا ایک حصہ مفلوج ہوگا (جسے وہ کھینچ رہا ہوگا)

مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ شِقُّهُ سَاقِطٌ. (سنن الترمذي ج ۱ ص ۲۱۷)

یہ حدیث ان لوگوں کے لئے موجب عبرت ہے جو جذبات میں آ کر جلد بازی میں دوسری شادی تو کر لیتے ہیں، لیکن شادی کے بعد جو دونوں کے حقوق ہیں، ان کی ادائیگی میں سخت کوتاہی کرتے ہیں، بسا اوقات مظلوم بیوی اپنی کمزوری کی بنا پر گھٹ گھٹ کر زندگی گزار دیتی ہے، لیکن اس کے شکستہ دل سے نکلنے والی آہیں ایسے ظالم شوہر کا تعاقب دنیا ہی میں نہیں؛ بلکہ آخرت تک کرتی رہتی ہیں، اور بالآخر اسے ذلت سے دوچار کر دیتی ہیں۔

سوکنوں کو اسلامی ہدایت

اسلام کی منصفانہ تعلیم کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ اس نے جہاں ایک طرف مرد کو پابند کیا کہ وہ بیویوں کے درمیان مساوات کا معاملہ کرے وہیں اس نے بیویوں

(سوکنوں) کو بھی ہدایت دی کہ وہ، نوشتہ دیوار پڑھ کر، ایک دوسرے کی کاٹ میں نہ رہیں؛ بلکہ آپس میں بہن بن کر رہنے کی کوشش کریں تاکہ گھر کا ماحول پرسکون ہو؛ کیوں کہ جب شوہر نے دوسری بیوی سے نکاح کا اقدام کر ہی لیا تو اب

پہلی بیوی کے لئے عافیت کا راستہ یہی ہے کہ وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرے اور اپنی سوکن سے دائمی دشمنی کے بجائے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے، اور یہ ہرگز نہ چاہے کہ اس کا شوہر اسے طلاق دے کر ساری توجہ اسی پرانی بیوی کی طرف مبذول کردے، اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بہن (سوکن) کی طلاق کا مطالبہ کرے؛ تاکہ اپنا پیالہ بھر لے؛ کیوں کہ اس کو اپنی قسمت کا مقررہ حصہ مل کر رہے گا۔

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَسْأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَفْحَتَهَا فَإِنَّمَا لَهَا مَاقُدِّرَ لَهَا. (صحيح البخاري ٧٧٤/١ رقم: ٤٩٥٨)

اس طرح کی ہدایات دے کر اسلام گھریلو زندگی کو پرسکون بنانا چاہتا ہے؛ تاکہ مرد کی ضرورت بھی پوری ہو اور بیویوں کے حقوق میں بھی کوئی فرق نہ آئے۔

نکاح ثانی کے عمل کو معیوب اور ناجائز سمجھنا غلط ہے

آج کل بعض عرب ممالک میں تو تعدد ازدواج کا عام معمول ہے اور اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا، لیکن برصغیر ہندو پاک میں غیر قوموں کی معاشرت سے متأثر ہو کر اسے انتہائی ناپسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں کے ماحول میں کسی مرد کے لئے نکاح ثانی کرنے اور بیک وقت متعدد بیویاں رکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، پہلی بیوی اور اس کے رشتہ دار حتی کہ اپنی برادری والے اور پڑوسی اور محلے دار سب کی طرف سے بڑے طعنے سننے کو ملتے ہیں اور اس معاملہ کو بحث کا دلچسپ موضوع بنالیا جاتا ہے، حالاں کہ جب اس بارے میں قرآن پاک میں صاف اجازت دے دی گئی ہے، تو عدل و انصاف اور حق تلفیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے محض اس نکاح ثانی کے اقدام کو برا سمجھنا دراصل ایک حکم خداوندی پر اعتراض ہے جو کفر تک پہنچانے والا نظریہ ہے؛ کیوں کہ نکاح ثانی پر اعتراض کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی اجازت کا مذاق اڑا رہا ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی آدمی کے نکاح ثانی کرنے پر ملامت کرے اور نفس نکاح ثانی ہی کو برا جانے تو وہ کافر ہے۔

(شامی ج ۴ ص ۱۴۱ زکریا)

لہٰذا، اپنے حالات اگر نکاح ثانی کے متقاضی نہ ہوں تو آدمی نکاح نہ کرے، یہ کوئی ضروری نہیں؛ لیکن جو شخص اپنی حالت اور تقاضوں کے پیش نظر نکاح کرلے تو اسے برا بھلا بھی نہ کہے، البتہ بیویوں میں عدل وانصاف اور برابری کرنے کی نصیحت کرسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کیا نکاح ثانی کے لئے بیوی سے اجازت لینی ضروری ہے؟

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ جس شخص کا نکاح ثانی کا ارادہ ہو تو اسے کیا پہلی بیوی سے اجازت لینی چاہئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح ثانی کے لئے پہلی بیوی سے اجازت لازم تو نہیں ہے؛ لیکن اگر اسے اعتماد میں لے کر یہ اقدام کرے تو اس کے نتائج بہتر نکلنے کی امید ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر پہلی بیوی دوسرے نکاح پر بالکل راضی نہ ہو حتی کہ دوسرا نکاح کرنے پر خودکشی کی دھمکی دینے لگے تو کیا کرنا چاہئے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے کہ مرد پر اس کی دھمکی کی بنا پر نکاح ثانی سے رک جانا کوئی ضروری نہیں ہے، یعنی وہ ان دھمکیوں کے باوجود نکاح ثانی کرنے کا مجاز ہے، لیکن اگر وہ پہلی بیوی کی دل داری کے لئے اپنے ارادے سے باز آجائے تو ان شاء اللہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا؛ کیوں کہ سرور عالم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ رَقَ لِأُمَّتِي رَقَ اللّٰهُ لَهُ (الدر المختار ٤/١٣٨-١٤١ زکریا)

یعنی جو میری امت کے ساتھ نرم دلی اور شفقت کا معاملہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پہلی بیوی کو اعتماد میں لے کر ہی اگلا اقدام کیا جائے۔

عورت کے لئے تعدد نکاح کی اجازت کیوں نہیں؟

حضرت الاستاذ مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ احقر سے کئی نوجوانوں نے متعدد بار یہ سوال کیا کہ جس طرح اسلام میں مردوں کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے، تو عورتوں کو یہ حق کیوں نہیں دیا گیا؟ اور وہ بیک وقت کئی مردوں سے نکاح کیوں نہیں کرسکتیں؟ تو اس کے جواب میں کئی باتیں عرض کی گئیں، مثلاً:

(۱) اگر بیک وقت ایک عورت کا کئی مردوں سے جسمانی تعلق ہوگا تو استقرار حمل کی صورت میں بچے کا نسب مشتبہ ہو جائے گا، جو اسلام کو کسی صورت منظور نہیں ہے۔

(۲) مرد فاعل ہوتا ہے اور عورت مفعول ہوتی ہے، اب اگر عورت کا تعلق بیک وقت کئی مردوں سے ہوگا تو اس سے متعلق مردوں کا آپس میں نزاع لازم ہے؛ کیوں کہ ہر مرد یہ چاہے گا کہ جب بھی وہ چاہے اس عورت سے انتفاع کرے، مگر دیگر افراد کے تعلق کی وجہ سے ہر وقت یہ ممکن نہ ہوسکے گا، جس کی بنا پر جھگڑے اور جنگ وجدال کی نوبت ضرور پیش آئے گی، اور یہ تو نکاح کی بات ہے، بلا نکاح بھی اگر کسی عورت کا کئی مردوں سے ناجائز تعلق ہوتا ہے تو وہ بھی سخت خوں ریزی کا سبب بنتا ہے، جس کے واقعات آئے دن دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں؛ لہٰذا اسلام جیسا مہذب مذہب

اس جھگڑے کی جڑ کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۱۷۳)۔

(۳) مرد کو تعدد نکاح کی اجازت ضرورۃً دی گئی ہے؛ کیوں کہ مردوں میں اسباب شہوت ظاہراً پائے جاتے ہیں، جب کہ عورتوں میں مردوں کے مقابلہ میں شہوتوں کا ابھار کم ہوتا ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں، مثلاً عورتوں میں فطرۃً حیا کا غلبہ ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ ان کے جنسی اعضاء مستور رکھے گئے ہیں، تیسرے یہ کہ ہر مہینہ میں ماہواری کے ایام، اور ایام حمل، اور ایام رضاعت، میں قدرتی طور پر جنسی ہیجان، ان میں کم ہوتا ہے؛ لہذا مردوں میں تعدد نکاح کی اجازت کے جو اسباب ہیں وہ عورتوں میں متحقق ہی نہیں، اس لئے ان کے واسطے اس کی اجازت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(۴) علاوہ ازیں ہر شریف معاشرہ میں ایک عورت کا متعدد مردوں سے بیک وقت تعلق بہت بڑا عیب جانا جاتا ہے، جس کے ثبوت کے لئے الگ سے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، تو جو عمل تمام انسانیت کی نظر میں متفقہ طور پر باعث عیب ہو وہ اسلام میں جائز کیسے ہوسکتا ہے؟ اسی ضمن میں بعض لوگوں نے سوال کیا کہ جنت میں ہر جنتی مرد کو ۷۰/۷۰ حوریں ملیں گی تو جنتی عورت کو کیا ملے گا؟ اس سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ ایک عورت کا کئی مردوں سے تعلق عیب ہے، یہ عورت کے لئے عزت کی نہیں؛ بلکہ ذلت کی بات ہے؛ لہذا جنت میں کسی عورت کو ذلت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، پس اس کی عزت اس میں ہوگی کہ اسے اس کے شوہر کے ساتھ جنت میں ملکہ بنا کر رکھا جائے گا، اور جنت کی حوریں دراصل مؤمن جنتی عورت کی گویا خادمہ بن کر رہیں گی۔

أما منع تعدد الازدواج: ففيه توفير مصلحة المرأة نفسها إذ تكون عادة مبعث نزاع حاد بين الرجال وتنافس وتزاحم بين الشركاء يلحق بها ضررا ومتاعب، وفي هذا التعدد ضرر اجتماعي، وفساد كبير، بسبب ضياع الأنساب واختلاط أصول الأولاد وضياعهم في نهاية الأمر إذ يتخلى كل هؤلاء الرجال عن إعالتهم بحجة أنه أبناء الأخرى. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ج۸ ص ۱۷۵)

مرد کے لئے صرف چار ہی عورتوں سے نکاح کی اجازت کیوں

ایک اہم سوال یہ ہے کہ جب مرد کے لئے متعدد نکاحوں کی اجازت دی گئی؟ تو اسے مطلق کیوں نہ رکھا گیا؟ اس کے بجائے اسے چار کے عدد تک محدود کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعدد نکاح کی اجازت صرف، ضرورۃً دی گئی ہے، اور مشاہدہ اور تجربہ کی روشنی میں ضرورت زیادہ سے زیادہ ۴ کے عدد سے پوری ہوجاتی ہے، اس سے زیادہ تعداد میں بیویوں کے حقوق کو صحیح طرح ادا کرنا عام آدمی کے لئے تقریباً ناممکن ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۱۷۱ تا ۱۷۲)

حکیم الامت حضرت تھانوی فرماتے ہیں: "اب رہی یہ بات کہ چار سے زیادہ کیوں نہ جائز ہو؟ توغور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری تھا کہ ایک خاص حد بیویاں کرنے کی ہوتی، ورنہ اگر حد مقرر نہ ہوتی تو لوگ حد اعتدال سے نکل کر صدہا صد تک بیویاں کرنے کی نوبت پہنچاتے، اور ایسا کرنے سے ان بیویوں پر اور خود اپنی جانوں پر ظلم، اور بے اعتدالیاں کرتے اور ضرورت چار سے رفع ہو گئی تھی، اس
لئے زائد کو ناجائز قرار دیا۔
(المصالح العقلیہ ۲۰۳) (مستفاد: کتاب المسائل ج ۴ ص ۲۶۷ تا ۲۷۶)

اگر کسی کی بیوی کا انتقال ہو جائے تو دوسری شادی پر طعن کرنا

آج ہمارے معاشرہ میں ایک بہت غلیظ بیماری یہ پیدا ہو گی ہے ,کہ اگر کسی شخص کی عمر چالیس پچاس سال کے قریب ہے اور اسکی بیوی کا انتقال ہو جائے تو اگر وہ دوسرا نکاح کرنا چاہے یا کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر بہت زیادہ لعن طعن کرتے ہیں، خصوصاً عورتیں تو اس طرح طعنہ دیتی ہیں جیسے اس کے لیے دوسرا نکاح کرنا جائز ہی نہ ہو، بعض کہتی ہیں کہ نواسوں اور پوتوں کو کھلانے کی عمر میں یہ نکاح کرنے چلا ہے احقر کے سامنے بھی اس طرح کا واقعہ پیش آیا؛ تو میں نے خود بعض عورتوں کو یہ کہتے ہوے سنا کہ اسکی تو نیت ہی خراب ہے بڑا افسوس ہوتا ہے ایسی باتیں سن کر معلوم نہیں آج ہماری قوم کو کیا ہو گیا یہ ہندوانہ سوچ آج ہمارے معاشرہ میں پیدا ہو گئی اور معاشرے سماج اور خاندان کی جاہلانہ باتوں نے ایسا طول پکڑا کہ اسکی زد سے بعض اہل علم بھی نہ بچ سکے، آپ ذرا غور تو کیجئے: کسی شخص کو دوسرا نکاح کرنے پر ایسے لعن طعن کیا جا رہا جیسے وہ کوئی گناہ کا کام کر رہا ہو اور یہی شخص دوسرا نکاح کرنے کے بجائے چوری چوری اپنی خواہشات ناجائز طریقہ سے پورا کرے تو پورا معاشرہ اس سے خوش رہتا ہے۔ ایسا معاشرہ یقیناً قابلِ مذمت ہے اور جو اہلِ علم اس معاشرے کی رنگت میں رنگے جا رہے ہیں میں بس ان سے اتنا کہنا چاہتا ہوں "افلا تعقلون" اور میں انکو قرآن کریم کی آیت کا یہ ٹکڑا بھی یاد دلانا چاہتا ہوں "لم تحرم ما احل اللہ لک" اور قرآن کریم کی آیت کا یہ ٹکڑا بھی یاد رکھنا چاہیے "اتخشون الناس و اللہ احق ان تخشوہ"

آپ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کی زندگی کو دیکھیے: وہ زندگی کے آخری وقت میں بھی بغیر نکاح کے رہنا گوارہ نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ حکم بن زید بن حسن فرماتے ہیں: کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوا، فرمایا: کہ لوگو! میرا (فوراً) نکاح کراؤ، اس لئے کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ازدواجی زندگی کے

بغیر ملاقات کروں۔

عن الحكم بن زيد بن الحسن قال: قال معاذ في مرضه الذي مات فيه: زوجوني، إني أكره أن القى الله أعزبا" (مصنف ابن أبي شيبة: رقم ۱۵۹۰۹)

بوڑھے نابینا صحابی کو یہ خوف کہ موت ازدواجی زندگی کے بغیر واقع نہ ہوجائے:

شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اسی حالت میں اپنے متعلقین سے فرمانے لگے کہ لوگو! میرا (فوراً) نکاح کردو اس لئے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات نہ کروں کہ (موت کے وقت) میرے نکاح میں کوئی عورت نہ ہو۔

عن شداد بن أوس رضى الله تعالى عنه وكان قد ذهب بصره قال: زوجوني، فأن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصاني أن لا ألقى الله اعزبا" (مصنف ابن أبي شيبة: رقم ۱۵۹۰۸)

اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق منقول ہے کہ ؛حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کی والدہ کی وفات کے اگلے ہی دن دوسرا نکاح کرلیا اور فرمایا کہ: میں بے بیوی والا بن کر رات گزارنا پسند نہیں کرتا۔

ويقال: إن أحمد بن حنبل رحمه الله تزوج في اليوم الثاني من وفاة أم ولده عبد الله، وقال: أكره أن أبيت عزباً. (إحياء العلوم عربي ۱۱/۳ نول كشور) آ

پ نے خود دیکھا؛ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ مجتہدین بغیر نکاح کے ایک رات گذارنا بھی پسند نہیں کرتے تھے جب کہ وہ خیر القرون میں تھے ,اور آج ہمارا زمانہ اسکے مقابلے میں بہت زیادہ فتنہ وفساد کا زمانہ ہے تو ہمارے زمانے میں تو بغیر نکاح کے ہرگز نہیں رہنا چاہیے، اگر کسی کی بیوی کا انتقال ہوجائے تو فوراً دوسرا نکاح کرنا چاہیے اور اگر کسی معاشرے میں اس عمل کو یا شریعت کے جائز کردہ کاموں پر عمل کرنے کو معیوب سمجھا جاتا ہو تو وہ معاشرہ اور اسکے باشندے اپنے آپ کو چاہے کتنا ہی شریف اور خاندانی سمجھتے رہیں وہ معاشرہ شریعت کی نظروں میں قابلِ مذمت ہی رہیگا۔

قابلِ تعریف تو وہ معاشرہ ہے جسمیں شریعت کے احکامات پر عمل کیا جاے اور آسان شریعت کو کسی کے لیے معاشرے کی شرطیں لگا کر مشکل نہ بنایا ,جاے اور شریعت نے جن کاموں کے کرنے کی اجازت دی ہے انکے کرنے پر کسی کو طعنہ زنی نہ کی جاے ورنہ معاشرے میں بدکاری اور زنا ,کاری عام ہوجاے گے اور نکاح وغیرہ کو مشکل بنانے کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے اگر بلا مبالغہ کہا جاے تو ہمارے اس معاشرے کے پچاس فیصد نوجوان زنا میں مبتلا ہیں اور

تقریباً ستر فیصد ناجائز تعلقات میں مبتلا ہیں، اور اگر آپ اچھی طرح سروے کرینگے تو یہ تعداد بہت آگے پہنچ جائے گی اہل علم حضرات سے میری یہ التجاء ہے کہ اب نکاح میں معاشرتی مصالح دیکھنے کا وقت نہیں ہے بلکہ اب تو کسی بھی طرح نوجوان نسل کو گناہوں سے بچانے کا وقت ہے خدارا اس معاشرے کو بچا لیجے ورنہ کل قیامت کے دن مجھ سے اور آپ سے اسکے متعلق ضرور باز پرس ہوگی (مرتب)